19-12-09

128281

Title - ASHITAR AKIYYAT AUR ISLAM.

Creator - Mohd. Yusuf Ahmad Payee.

Publisher - Barqi Press (Delhi).

Date - N.A.

Pages - 124

Subjects - Islam - Ashitar Akiyyat.

۷۸۶

اشتراکیت اور اسلام

ایک عالم متعلم رشید کے قلم سے

جس کو

خان بہادر حاجی محمد یوسف احمد پانی صاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی نے

ہمدرد برقی پریس فیض بازار دہلی میں چھپوا کر
شائع کیا

جملہ حقوق محفوظ ہیں

۶۸۶
۲۸۲۸۱

اِنتساب

اس شاہنشاہ بوریہ نشین (صلعم) نوع انسانی کے مصلح اعظم (صلعم) کے سنگ آستاں سے انتساب کا شرف حاصل کرنے کی تمنا کی جاتی ہے جس (صلعم) کی مقدس تعلیم نے محمود و ایاز کو ایک صف میں کھڑا کر کے دنیا کو حقیقی مساوات کا سبق دیا۔

CHECKED 2008

ترے سنگِ در نے بدل دیا ہے یہ پستیوں کو فراز میں
کہ ہزاروں عرش جھلک رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

ناشر

۷۸۶
۲۸۲۸۱
M.A.LIBRARY, A.M.U.
U28281

اشتراکیت اور اسلام

دنیا ایک گہوارۂ تغیر و تبدل ہے جس میں یوم تکوین سے انقلابات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ حکمائے سائنس اپنی تحقیقات سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس عمل تغیر کی جولانگاہ بنا ہوا ہے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ سر بفلک پہاڑ کبھی عمیق سمندر تھے اور بحر ذخار کبھی آسمان بوس پہاڑ۔ ماہرین علم الارض بتلاتے ہیں کہ خشکی کے قطعات کبھی مواج دریا تھے اور دریاؤں کی جگہ آباد زمینیں۔ اثری محققین اپنے عملی تجارب و مشاہدات سے اس حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں کہ کھنڈرات کی جگہ کبھی بستیاں تھیں، اور بستیوں کی جگہ ویرانے۔ ان علمی انکشافات سے قطع نظر خود اپنے مشاہدات پر غور فرمائیے۔ رات اور دن خزاں اور بہار، سردی اور گرمی سب اسی گردش دولابی کے کرشمے ہیں۔ یہ انقلابات سب درست لیکن ان تغیرات ارضی و سماوی سے کہیں عجائب تر، اور ان تبدلات کونی و طبعی سے کہیں تحیر انگیز وہ انقلابات ہیں جو سمندروں اور پہاڑوں کے بجائے خود قوموں اور ملکوں کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا اثر

ریت کے ذرّوں، پانی کے قطروں، اینٹ اور پتھر کی عمارتوں ہی تک
محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ اقوام و ممالک کی عمرانی و مدنی زندگی پر اثر انداز ہوتے
ہیں اور ان کی تہذیب و تمدن کو بدل ڈالتے ہیں۔ ان کی آماجگاہ دریا اور جنگل
نہیں ہوتے بلکہ یہ اپنی رستخیزیوں کا میدان انسانی ذہنیت و معتقدات کو بناتے
ہیں اور غیر محسوس طور پر اعمالِ حیات کی اُن تمام عمارتوں کو منہدم کرتے چلے
جاتے ہیں جو ان بنیادوں پر استوار ہوتی ہیں چشمِ فلک نے تغیراتِ طبعی کی طرح
ان تغیراتِ مدنی و ذہنی کو بھی مختلف زمانوں میں زمین کے مختلف حصوں میں مختلف
اقوامِ عالم کے اندر حشر برپا کرتے دیکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان انقلابات
کو چھوڑ کر جو مامورین من اللہ (علیہم السلام) کی وساطت سے انسانی قلوب و نفوس
کی اصلاح و تزکیہ کے لئے وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے اور جن کا مقصد آبادیوں
کو اُجاڑنا نہیں بلکہ ویرانوں کو آباد کرنا تھا جو ہلاکت و تباہی کی جگہ سعادت و
امنیت کا پیغام لیکر آئے تھے اور ہولناک شیطانوں کے بجائے رحمت و محبت
کے نورانی فرشتے اپنے جلو میں لائے تھے۔ تمام انقلابات کی تہہ میں وہی
جذبہ کارفرما نظر آئے گا جسے تخلیقِ آدم کے وقت فرشتوں کی معصوم نگاہوں نے
يُفْسِدُ فِي الْاَرْضِ وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ کے آتشیں اجزاء میں مضمر دیکھا تھا۔ کلدانیوں
کا تمرد، فراعنۂ مصر کی انانیت، یونانیوں کی جوع الارضی، رومیوں کی استیلاء پسندی
تاتاریوں کی قیامت خیزی، ساسانیوں کی بلا انگیزی سب اسی آتشِ
نہاں کی شعلہ فشانیاں تھیں۔ آگ اور خون کی یہ داستانیں آج
اساطیر الاولین خیال کی جاتی ہیں، وحشت و بہیمیت کے یہ قصے انسانی عہد

جہالت واستبداد کی یادگار سمجھے جاتے ہیں لیکن بصارت کے ساتھ بصیرت رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ انقلابات کا یہ خونچکاں سلسلہ اس دورِ تہذیب وتمدن میں بھی اسی انداز والتزام کے ساتھ جاری ہے جس طرح انسانیت کے دورِ جہالت وسبعیت میں تھا۔ فرق یہ ہے کہ عہدِ طفولیت کا وحشی غیر مہذب انسان غلبہ واستیلاء کی ان ہوسناکیوں کو کسی نظر فریب نقاب میں چھپانا نہیں جانتا تھا، اور آج دورِ تہذیب کا متمدن انسان اپنی کامجوئیوں کو خدمت ابنائے جنس اور قیام امن و بقائے صلح کی آڑ میں پیش کرتا ہے۔ دورِ جہالت میں یہ انقلاب لشکر انگیزی اور افواج کشی کی صورت میں نمودار ہوتے تھے لیکن دورِ تہذیب کے انقلاب مختلف ازم (isms) اور متبائن ایتوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جن کا تسلط ہاتھوں اور گردنوں سے بڑھ کر دل اور دماغ پر ہوتا ہے۔ اس قسم کے جن انقلابات سے دورِ حاضرہ کے انسانوں کو دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مہیب اور سب سے زیادہ خطرناک وہ زلزلہ ہے جو مارکس ازم (Marx ism) کی صورت میں آلمانیہ کے اسرائیلی ماہر اقتصادیات کے مجلّہ دماغ سے اُبھرا اور روس کے آتش فشاں پہاڑوں سے بالشوزم یا کمیونزم (اشتراکیت) کی صورت میں ایک ہولناک دھماکے سے نظام شکن ہوا جس کی رعد آسا کڑک نے بہت سے کانوں کو سماعت سے اور بہت سے ذہنوں کو فہم وادراک سے معطل کر دیا۔ یہ تحریک اس صدی کے عظیم الشان انقلابات میں سے ہے جس کا اثر صدود فراموش اور جس کا تعدیہ قیود ناآشنا ہے اور دنیا کی اقتصادی، معاشرتی، سیاسی، مذہبی اور عام ذہنی حالت پر اس نے

ایسا گہرا اثر جما رکھا ہے کہ سادہ لوح انسان بظاہر اس سے خائف اور محترز نظر آتے ہیں، غیر محسوس طور پر کسی نہ کسی پہلو سے وہ بھی اس کے دام تزویر میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اس لئے کہ اس تحریک کے علمبرداروں نے مزدوروں کی حمایت، مظلوموں کی داد رسی، مساواتِ انسانی اور اخوت ابنائے جنس کے خوشنما اور نظر فریب پھولوں سے ایک ایسا جاذبِ توجہ جزیرہ سطح آب پر پھیلا رکھا ہے کہ ہر شخص اس کی طرف کشاں کشاں دوداں دواں بہا چلا جاتا ہے اور جنتِ نگاہ کی اس دل فریبی و سحر انگیزی میں اس طرف کبھی اس کا خیال بھی منتقل نہیں ہونے پاتا کہ اس ساکت و صامت سطح آب کے نیچے کس قدر خطرناک چٹانیں چھپی ہوئی ہیں کہ جن سے ٹکرا کر نظامِ عالم کے امن و سلامتی کی کشتی پاش پاش ہو جائے گی اور چونکہ حق و باطل کے امتیاز کا "پل صراط" بال سے باریک اور تلوار سے تیز واقع ہوا ہے، اس ظاہر فریب جاذبیت ہی کو حق و صداقت کی ابدی جنت سمجھ لیتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے اس رو میں بہہ جاتے ہیں جو بالآخر ان کو ہلاکت اور تباہی کے عمیق غاروں میں دھکیل دیتی ہے۔

دنیا اس تحریک کو جس طرح جی میں آتا سمجھتی اور جس طرح مناسب سمجھتی اس پر عمل پیرا ہوتی، ہمیں اس سے غرض نہ تھی۔ " لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ " (ان کے نیک و بد اعمال اُن کے لئے ہیں) لیکن مصیبت یہ آ پڑی کہ بعض ظاہر بیں مسلمان بھی اس کی جادو اثر مساوات کی تعلیم سے متاثر ہو گئے اور بعضوں نے تو شاید بالشویکی آلہ کار بن کر لیکن بعضوں نے فی الحقیقت ایسا ہی سمجھتے ہوئے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ اشتراکیت (Commun ism)

فی الحقیقت اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے اور مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ دنیا کا ایک عظیم الشان ملک خود بخود اسلام کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اشتراکیت کی اصلی تعلیم کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے کہ قرآن کریم کی بارگاہ سے اسے کس قسم کا سارٹیفکیٹ ملتا ہے۔ اس لئے کہ تمام دنیا والوں کے لئے کسی تعلیم اور کسی عمل کے پرکھنے کا معیار کچھ ہی کیوں نہ ہو، مسلمانوں کے لئے تو سب سے بڑی کسوٹی اور سب سے کامل معیار وہ "کتاب مبین" ہے جس نے اپنے آپ کو "تبیاناً لکل شیئ" کہا ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ ہو، کارگہ حیات کا کوئی گوشہ ہو ایک مسلمان کے لئے اُس حاکم اعلیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے اور اس بارگہ صمدیت کا حکم آخری حکم ہے۔ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی ہو یا اقتصادی، سیاسی ہو یا علمی، دینی ہو یا دنیاوی، ہر ایک کے لئے اس میں ایک مکمل ترین قانون موجود ہے جس کی موجودگی میں کسی اور طرف رجوع کرنا کفر صریح ہے، ظلم عظیم ہے اور فسق ہے۔ پالیٹکس کچھ کہے، رجحانات قلبی کسی طرف لئے جا رہے ہوں، وساوس ذہنی کیسی ہی دبلا دینے کی شکلیں پیدا کریں لیکن قرآن کی عدالت عالیہ سے کسی بات کے متعلق جب فیصلہ مل جائے تو ایک مسلمان کی گردن اس کے سامنے جھک جانی چاہیئے اور دنیا کی کوئی کشش پھر اس کے لئے جاذب توجہ نہیں رہنی چاہیئے

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ. يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ.	بیشک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے روشن اور ہر بات کو بیان کرنے والی کتاب آئی ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے

سُبُلَ السَّلَامِ وَیُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّورِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ.

راستوں کی ہدایت کرتا ہے، جو اس کی رضا چاہتا ہے اور اس کو ہر طرح کی گمراہی اور تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا اور صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔

اس لیے کوشش یہ کی گئی ہے کہ جہاں اشتراکیت کے متعلق اصولات بقیہ امکان اس تحریک کے علمبرداروں کی مستند کتابوں سے لیے جائیں تاکہ اس میں غلط پروپیگنڈے کا شائبہ نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی تعلیم کی بنا بھی قرآن کریم کی نصوص صریحہ واحادیث صحیحہ پر رکھی جاتے تاکہ یہاں اختلاف اور اشتباہ کی گنجائش نہ رہے۔

کتاب کی ترتیب میں اس امر کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو حضرات اسلام اور اشتراکیت کے باہمی موازنہ میں خاص دلچسپی نہ رکھتے ہوں، اُن کے لیے ہر دو ابواب علیحدہ علیحدہ بھی مفید ہو سکیں۔ باب اشتراکیت کے مطالعہ سے اس تحریک کی نمایاں خصوصیات سامنے آجائیں گی اور اسلام کے متعلق جو کچھ گذارش کیا گیا ہے اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے اور اس پر ہماری نادانیوں یا تعصب نے کیا کیا پردے ڈال رکھے ہیں۔ جہانتک ہمیں معلوم ہے، اردو میں ابھی تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں حیات انسانی کے مختلف شعبوں مثلاً نظام معیشت، نظام معاشرت، عائلی زندگی، سیاسی نظام، مذہبی نظام کو پیش نظر رکھکر اسلام کی تعلیم کو یکجا جامع اور مختصر انداز سے پیش کیا گیا ہو اس لئے اس اعتبار سے

کتاب کا یہ حصہ اُن حضرات کے لئے مفید ہوگا جو دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان عنوانات کے متعلق اسلام کی سچی اور خالص تعلیم کیا ہے۔ اگر یہ کتاب ان غلط فہمیوں کو جو اسلام کے متعلق عام طور پر پیدا ہو چکی ہیں، کسی ایک قلب سے بھی دُور کرنے میں ممد ہو سکی تو میں سمجھوں گا کہ میری ناچیز محنت برآئی اور یہ سب سے گرانبہا اجر ہے جس کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اشتراکیت کے بے پناہ سیلاب کی زد میں آنے والا سب سے پہلے ہمارے مغرب پرست نوجوانوں کا طبقہ ہے۔ چونکہ ان کی تعلیم میں مذہبی عنصر بالکل مفقود ہوتا ہے اس لئے وہ اس الحاد و بے دینی کو کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے لیکن ان میں بعض ایسی سعید روحیں بھی موجود ہوتی ہیں جن کے سامنے اگر اسلام کی صحیح صحیح تعلیم رکھ دی جائے تو ان کے خیالات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کا سب سے پہلا مقصد ایسے ہی قلوب ونفوس کی اصلاح ہے کیونکہ یہی نوجوان طبقہ کل کو "ملتِ اسلامیہ" کہلانے والا ہے۔ اگر اس طبقہ کا دماغ الحاد اور بیدینی کی مسموم فضاؤں سے متاثر ہوتا چلا گیا تو آنیوالی "ملتِ اسلامیہ" خدا ورسول کے نام سے یکسر ناآشنا نہیں بلکہ متنفر پیدا ہوگی اور وہ ایک ایسا منظر ہوگا جس کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔ لہٰذا آج ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جس کے دل میں اسلام کی تھوڑی سی بھی محبت اور احساس ہو، اس بیدینی کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش صرف کر دے، میں ان نوجوان مسلمانوں کو خاص طور پر مخاطب کرنا چاہتا ہوں جن کے دل میں اسلام کے استبقا و استحکام کی آرزو جوش زن ہے، کہ "ماہیت" کو تو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر چکے، اب اگر

وہ اسلام کے تحفظ کے لئے خود سپر بنکر نہیں اٹھیں گے تو یاد رہے کہ اسلام پر جو بھی زد پڑیگی اس کی واحد ذمہ داری ان پر ہوگی۔

چونکہ جیسا گذارش کیا گیا ہے کہ اشتراکیت سے متاثر ہونے والا طبقہ مغرب زدہ نوجوانوں کا ہے، اس لئے اس کتاب کو بہ تبدیل اسلوب انگریزی زبان میں بھی شائع کرا رہا ہوں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ میری ان ناچیز کوششوں کو بارآور فرمائے۔ آمین۔

فقیر

مصنف

دہلی

جنوری ۱۹۳۵ء

تعارف

اگرچہ گذشتہ پندرہ بیس سال سے کمیونزم (اشتراکیت) کے متعلق اتنے وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ اس کے اصول و مبادیات قریب قریب ہر شخص کے ذہن میں مرتسم ہو چکے ہیں لیکن بایں ہمہ ان میں سے اکثر نقوش محض سُنی سُنائی باتوں پر مبنی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے اس تحریک کے دستور اساسی کو مستند ماخذ سے مختصر الفاظ میں بیان کر دیں تاکہ پھر اس پر اسلامی نقطۂ خیال سے تنقید کرنے میں آسانی رہے۔ لیکن کمیونزم (Commun ism) سے پیشتر ہمیں چند الفاظ ایک اور تحریک کے متعلق عرض کر دینے بھی ضروری ہیں جسے سوشلزم یا اشتمالیت کہتے ہیں۔ اس لئے کہ بالعموم ان دونوں تحریکوں کو ایک دوسرے کے مرادف سمجھکر مخلوط کر دیا جاتا ہے اور جہاں اشتراکیت پر کوئی اعتراض وارد کیا جائے اشتمالیت کے نرم رَو اصولوں کو سامنے لاکر اشتراکیت کی مدافعت کا فریب دے دیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں تحریکیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

سرمایہ دار اور مزدور کے باہمی تعلقات کیا ہیں؟ یہ سوال بھی اتنا ہی پرانا ہے جتنی مدنی الطبع انسان کی عمرانی زندگی کی تاریخ اور نوع بشری کے دیگر مہمات اصول کی طرح یہ مسئلہ بھی مختلف مفکرین عالم کے زیرِ نظر رہا ہے اور اس کے تسلی بخش جواب اور حل کے لئے بہت کچھ دماغ سوزیاں اور خامہ فرسائیاں ہو چکی ہیں چنانچہ

فیلسوفوں یکے ابوالاباء افلاطون یونانی کی جمہوریت کا محرک بھی یہی خیال تھا اور اُس وقت سے آج تک انسانی جماعتوں کی تنظیم و انضباط کے متعدد نظریوں کا بیج بھی یہی سوال رہا ہے۔ نوعِ انسانی کے دورِ استبداد میں برسرِ اقتدار افراد نے حکومت و سرمایہ کے نشہ میں غریب اور مفلس انسانوں پر جو ظلم و ستم کی قیامتیں برپا کر رکھی تھیں، ان سے متاثر ہو کر کچھ ماہرین نظامِ عالم اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک سرمایہ اور حکومت کے اجارہ داروں سے وہ قوت نہیں چھین لی جائیگی جس کے بل بوتہ پر مفلوک الحال انسانوں پر دستِ تظلم دراز کر رہے ہیں، نظامِ دنیوی میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ان داعیوں نے اپنی جد و جہد کا مقصد یہہ قرار دیا کہ مطلق العنان حکومت کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ جمہوری حکومت قائم کیجائے اور تمام ذرائع صنعت و حرفت و پیداوار سرمایہ داروں سے چھین کر جمہوری حکومت مرکزی حیثیت سے مزدوروں اور کسانوں میں تقسیم کر دے۔ اس تحریک کا نام سوشلزم (Social ism) ہے جو یورپ ہی کی پیداوار ہے۔

یورپ میں انقلابِ فرانس کے بعد جب تدریجاً شخصی حکومتوں کا خاتمہ ہوتا گیا اور ان کی جگہ جمہوری نظامِ حکومت قائم ہوتا گیا تو اس جدید طرزِ حکومت سے بہت بڑی حد تک وہ شکایات بھی رفع ہوتی چلی گئیں جو غریب و نادار مزدوروں کی ظالم و جابر سرمایہ داروں کے خلاف تھیں اس لئے جمہوریت کے قیام سے اشتمالیت خود بخود مردہ سی ہو گئی اور ایسے افراد جو فی الحقیقت اصلاح و فلاح کے متمنی تھے یا تو ان حالات سے مطمئن ہو گئے یا آئینی انداز سے استقام و نقائص کے رفع کرنے کی جد و جہد کرتے رہے جو بہر حال مستحسن تھا لیکن تشدد پسند افراد

(Extremists) جو طبعاً فتنہ و فساد کے شائق تھے، اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور انہوں نے اس تحریک کی بنا ڈال دی جسے کمیونزم (Communism) یا اشتراکیت کہتے ہیں اور جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا سے سرے سے نظامِ حکومت ہی کا خاتمہ کر دیا جائے اور تمام اراضی سرمایہ اور دیگر ذرائع محاصل و پیداوار کو مزدوروں اور کسانوں میں مساویانہ تقسیم کر دیا جائے جو خود دولت پیدا کریں اور خود ہی اسکی باہمی تقسیم کر لیں۔ یہی وہ تحریک ہے جسے ہم نے دورِ حاضرہ کا سب سے زیادہ مہیب اور خطرناک زلزلہ بتایا ہے جو نظامِ انسانیت کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کیلئے وجود میں لایا گیا اور یہی وہ سیلابِ عظیم ہے جس کی بڑھتی ہوئی رَو سے کم سے کم ملتِ اسلامیہ کے افراد کو بچانے کیلئے ان کے قلوب و نفوس کے گرد تعلیماتِ قرآنی کی آہنی دیوار کھینچی جانی ضروری ہے اور یہی وہ کوشش ہے جو ان صفحات کے ذریعہ مقصود ہے۔ سب سے پہلے اس تحریک کے عناصر ترکیبی معین کر لینے چاہئیں۔

کارل مارکس

اشتراکی خیالات کا مبتدع اگرچہ مزدک ہے جو ایران میں ۵۰۰ء کے قریب پیدا ہوا لیکن دورِ حاضرہ کی تحریک کا رہنمائے اعظم المانیہ (جرمنی) کا ماہرِ اقتصادیات کارل مارکس (Karl marx 1818-1883) ہے۔ یہ شروع ہی سے ایک انتہا پسند اشتمالی تھا اور ان خیالات کی نشر و اشاعت کے لئے اس نے کئی ایک اشتراکی اخبارات میں کام کیا۔ یہ خیالات ہنوز اس کے سینہ کی تنہائیوں میں پرورش پا رہے تھے کہ وہ ۱۸۴۷ء میں جرمن مزدوروں کی ایک خفیہ جماعت سے ملا جو اپنے آپ کو اخوان العدل (League of Tast) کہتی تھی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس جماعت نے اپنا نام بدل کر اشتراکیین (Communes) رکھ لیا جس کے معنی ایک ایسی جماعت کے تھے جو باتحادِ یک دیگر مزدوروں کی

حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) اس زمانہ میں مارکس کو انجیلز (Engels) نامی ایک اور ماہر اقتصادیات ملا جو اس کا ہم خیال تھا اور جو مارکس کے بعد اس تحریک کا قائد اعظم سمجھا جاتا ہے۔ مزدوروں کی مذکورہ صدر جماعت نے ۱۸۴۷ء میں ایک جلسہ کیا جس میں انہوں نے مارکس اور انجیلز سے درخواست کی کہ وہ اس جماعت کی وجہ تخلیق اس کے اغراض و مقاصد کا ایک دستور اساسی مرتب کر دیں۔ چنانچہ ۱۸۴۸ء میں یہ دستور اساسی منشور اشتراکیت (Communist manifesto) کے نام سے شائع ہوا۔ یہی دستور موجودہ کمیونزم (اشتراکیت) کا نصب العین ہے اور وحی منزل کی طرح واجب التسلیم مانا جاتا ہے۔ انہی دنوں (۱۸۴۸ء میں) شاہ جرمنی نے قومی مجلس کو برخاست کر دیا جس سے متاثر ہو کر مارکس اور اس کے رفقاء نے کارسنے عوام میں یہ تحریک شروع کر دی کہ وہ ٹیکس ادا نہ کریں اور حکومت کی مخالفت کیلئے مسلح جماعتوں کی تنظیم شروع کر دیں۔ حکومت نے اس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلایا اور اسے ملک بدر کر دیا۔ یہ پہلے فرانس پہنچا اور وہاں سے انگلستان آ گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جرمنوں کی کمیونسٹ جماعت کو اور تقویت مل گئی اور انہوں نے ایک بین الاقوامی حیثیت حاصل کر لی۔ چنانچہ اس جماعت کی برلن کی شاخ نے بین الاقوامی مزدوروں کی جماعت (International working meins Assn) اپنا نام رکھا اور مارکس کو اس کا صدر بنا دیا۔ انہوں نے ۱۸۶۴ء میں ایک کانفرنس منعقد کی جسے اشتراکیت کی پہلی بین الاقوامی (کانفرنس) کہتے ہیں لیکن اشتراکیین اور انار[illegible] (بے نظمی اور بے آئینی کے علمبرداروں) میں کچھ اختلافات کی بنا پر یہ

کانفرنس ٹوٹ گئی۔ ازاں بعد ۱۸۸۹ء میں اس کی دوسری بین الاقوامی کانفرنس ہوئی۔
لیکن ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کی بنا پر اس کی مختلف شاخوں میں پھر اختلافات رونما
ہوگئے حتیٰ کہ ۱۹۱۹ء میں اس کی تیسری بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جو در حقیقت
اس عالمگیر تحریک کا سنگ بنیاد ہے۔ اس آخری کانفرنس نے دوسری
کانفرنس کے معتدلین کے طریق کار کو مذمت کی نگاہ سے دیکھا اور اپنا رشتۂ اتحاد
پہلی بین الاقوامی کانفرنس سے منسلک و منسوط کر کے ہر قسم کے جارحانہ تشدد و غارتگری
کو اپنا نصب العین قرار دیا جو اُن کے نزدیک مارکس کے نظریہ کی اصل ہے۔

یہ تحریک یوں تو آتش خاموش کی طرح سلگتی سلگاتی، مختلف اقوام عالم میں
اثر انداز ہوتی رہی۔ لیکن جہاں یہ رعد آسا دھماکے کے ساتھ ابھری وہ روس کا
میدان تھا۔ ویسے تو ۱۹۰۵ء انقلابی تحریک سے ہی روس میں اس کے آثار
نمودار ہو چکے تھے لیکن ۱۹۱۷ء میں زار روس اور اس کی حکومت کے خلاف
ایک طوفان انگیز شورش برپا کی گئی جس کا سرغنہ لینن (Lenin 1870-1924)
تھا۔ اس انقلاب نے حکومت روس کا تختہ اُلٹ دیا اور اشتراکیین کی جماعت جس
کا مقامی نام بالشویک تھا، برسر اقتدار آگئی۔ ان کی پہلی مجلس انتظامیہ چونکہ مزدوروں
اور کسانوں پر مشتمل تھی جنہیں سوویٹ (Suvelt) کہتے تھے۔ اس لئے اس
نظام حکومت کا نام بھی سوویٹ روس کی جمہوریت رکھا گیا۔ لینن اس جماعت کا
صدر تھا جس نے ۷ جنوری ۱۹۱۸ء کی شب کو آئینی نظام حکومت کی اسمبلی
کو برطرف کر کے اپنے (Dictator ship) ڈکٹیٹر شپ
کا اعلان کر دیا۔ لینن ۱۹۲۴ء میں مر گیا اور اس کی جگہ سٹیلن (Stalin 1879)

ڈکٹیٹر مقرر ہوا۔ روس میں اگرچہ کمیونسٹ جماعت ہی برسرِ اقتدار ہے لیکن ہنوز وہاں نظامِ حکومت و معاشرت اشتراکیت کے مکمل دستور کے مطابق عمل میں نہیں آیا۔ یوں سمجھیے کہ بعض صورتوں میں اشتمالیت اور بعض میں اس سے زیادہ متشدد طریقِ حکومت کارفرما ہے۔ البتہ کمیونسٹ جماعت تدریجاً اس نظام کو بدل کر اشتراکیت کے آخری نقطہ کی طرف لئے جا رہی ہے۔ بہرکیف تحریکِ اشتراکیت کا آتشدان آج روس میں ہے اور وہیں سے اس کی چنگاریاں اُڑ اُڑ کر نظامِ عالم کے خرمنِ امن و طمانیت کو جلانے کے سامان فراہم کر رہی ہیں

اس مختصر سے تعارف کے بعد معلوم ہو گیا ہو گا کہ موجودہ اشتراکیت کے اصول و طریقِ کار کی تفصیلات ہمیں مارکس، انجیلز، لینن، اسٹیلن اور ان کی روسی جماعت کے اربابِ حل و عقد کی تحریر و تقریر میں ملیں گی اور حتی الامکان اُن ہی سے ذیل کی سطور میں اُن کے دستورِ نظام کا خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اشتراکیت

معاشی اور معاشرتی نظام

مارکس اپنے منشور اشتراکیت کے شروع میں لکھتا ہے "سرمایہ داروں نے جو ظلم و تشدد برپا کر رکھا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ دنیا سے جماعتی تفریق کو مٹا دیا جائے۔ عمرانی زندگی کے مصائب و آلام صرف جماعتی امتیازات کی بنا پر ہیں اور اس کا ازالہ مزدوروں کی جماعت برسر اقتدار آ کر عالمگیر یکسانیت و مساوات پیدا کرنا ہے" پھر لکھتا ہے کہ "اس تحریک کا مقصد وحید یہ ہے کہ دنیا سے ذاتی ملکیت و شخصی و انفرادی حقوق کے خیال کو فنا کر دیا جائے اور اس طرح جب مزدوروں کی جماعت کو تسلط حاصل ہو جائے تو بتدریج سرمایہ داروں کے تمام املاک وغیرہ ان پر قبضہ کر لیا جائے اور اس طرح ملکی پیداوار کے تمام وسائل و ذرائع مزدوروں کی جماعت کی حکومت کے ہاتھ میں مرکوز کر دیئے جائیں" ایک اور جگہ رقمطراز ہے "اشتراکی اپنے خیالات اور مقاصد کو پوشیدہ رکھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ علی الاعلان کہتے ہیں کہ ان کے مقاصد صرف اس طرح حاصل ہو سکتے ہیں کہ موجودہ نظام معاشرت کو مسلح قوت کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا جائے۔ پس [illegible] جماعتوں اور طبقوں کو اشتراکی انقلاب سے خوف کھانا [illegible] مزدوروں اس انقلاب میں کچھ نہیں کھوئیں گے انہیں تو [illegible] فتح کرنا ہے۔"

اسی اصل الاصول کی تائید کمیونزم کے مختلف لٹریچر کے ذریعہ سے ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں نظام عمل کا مسودہ مطبوعہ ڈیلی واکر (لندن) کی تیسری

شق یہ ہے۔ ہر قسم کی ملکیت مثلاً زمین جنگلات، سرمایہ، جاگیرداران والیانِ ریاست اور مذہبی عبادت گاہوں کی تمام جائیدادیں بلا کسی معاوضہ کے ضبط کر لی جائیں۔

"اشتراکی نظام شمسی" مطبوعہ لیبر پارٹی (لندن) کے شروع میں ہے:۔
"اشتراکی بین الاقوامی کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک منظم و مسلح لڑائی کے ذریعہ سے بین الاقوامی سرمایہ داری کا انہدام کرے اور اس کی جگہ بین الاقوامی سوویٹ جمہوریت کو قائم کرے جو سرمایہ داری کے مکمل استیصال تک ایک درمیانی ارتقائی منزل کا کام دے"۔

V. Adoratsky جو کہ مارکس، انجلز، لینن انسٹیٹیوٹ ماسکو کا ڈائرکٹر ہے، اپنی کتاب (Dialecti calmatenalism) کے صفحہ ۶ پر لکھتا ہے۔ "جماعتی جنگ کے ذریعہ سے اور ڈکٹیٹر شپ کی مدد سے اشتراکیت جماعتی امتیازات و تفوق کو مٹا کر ایک ایسی سوسائٹی کی تشکیل کرے گی جس میں جماعتی تشکیل کا وجود نہ ہوگا"۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مدیر مارکس و لینن کی اسناد سے اشتراکیت کے حاصل الحصول کے متعلق لکھتا ہے۔

"مشترکہ ملکیت، وسائل پیداوار کا اجتماعی نظم و ضبط، انفرادی و شخصی حقوق و املاک کا مکمل انقطاع۔ اشتراکیین (Socialist) یا اشتمالیین کا نصب العین حیات ہے"۔

مذہبی نظام۔ اشتراکیت ایک خالصۃً اقتصادی اور سیاسی تحریک ہے جسے

مذہب سے کچھ سروکار نہ رہنا چاہیئے۔ لیکن مدعیان تحریک کے نزدیک سب سے پہلے مذہبی انقلاب کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک دنیا میں غریب انسانوں پر جس قدر ظلم و استبداد کی قیامتیں ٹوٹ رہی ہیں، سب اسی مذہب کے وجود سے ہیں اور ان مصائب و آلام کا استیصال اس وقت تک ناممکن ہے جب تک لوگوں کے دلوں سے خدا کے وجود کا ایمان قاطبۃً مٹا نہ دیا جائے۔ اس لئے کہ دنیا میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا استبداد کا حامی خود خدا ہے۔" بالشوزم مصنف Edmad Candly اور خود لینن خدا کے تصور کی ابتدا کی وجہ یوں بیان کرتا ہے کہ "سرمایہ داری کی غیر مرئی قوتوں نے ذہن انسانی میں ایک ڈر کی شکل پیدا کر دی ہے جس سے ایک حاکم اعلے کے تخیل کی بنیا دپڑی جسے خدا کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ سو جب تک خدا کا تخیل ذہن انسانی سے فنا نہ کر دیا جائے یہ لعنت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی"۔ (Hammer & Sickle by Mark Patrick)

لینن مارکس کے حوالہ سے اپنے ایک مقالہ مطبوعہ "لیبر منتھلی" بابت دسمبر ۱۹۲۶ء میں لکھتا ہے۔

"مذہب لوگوں کے لئے افیون ہے اس لئے نظریہ مارکس کی رو سے دنیا کے تمام مذاہب اور کلیسا سرمایہ داری کے آلہ کار ہیں جن کی توسط سے مزدور جماعت کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے اور انہیں فریب دیا جاتا ہے۔ لہٰذا نفسِ مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتراکی کے لئے ضروری ہے تاآنکہ دنیا سے مذہب اور خدا کا وجود ہی مٹ جائے"۔

مبادیات اشتراکیت (A.B.C of Communism)

مصنفہ Bukoriu Preobreaghenrky

کے باب ۸۹ میں لکھا ہے :۔

"اشتراکیت کے نام لیواؤں کا اولین فرض ہے کہ مارکس کے اس قول کو کہ مذہب لوگوں کیلئے افیون ہے، عام جماعتوں کے ذہن نشین کرادیں اور انہیں یقین دلادیں کہ ازمنۂ گذشتہ میں کیا اور دورِ حاضرہ میں کیا، متمرد اور سرکش انسانوں کے ہاتھ میں مذہب ہی ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعے دنیا میں عدم مساوات، جماعتی تفریق، اور غصب و استبداد کو روا رکھا جاتا ہے اور جس کے نام سے مزدوروں کی جماعت سے سرمایہ کے دیوتا کی پوجا کرائی جاتی ہے۔"

اس سے ذرا آگے جا کر لکھتا ہے :۔

"مذہب اور اشتراکیت علمی اور نظری ہر دو حیثیتوں سے بالکل متضاد رقیبانہ ہیں"

صفحہ ۲۵۵ پر تحریر ہے کہ "جو اشتراکی اپنے مذہبی عقیدے کو بھی سر تو ہر تحدر رکھتا ہے اسے اشتراکیت سے کچھ واسطہ نہیں"۔ لینن اور گاندھی کا مصنف لکھتا ہے :۔

"لینن نے بار بار اپنی تقریر و تحریر میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اشتراکیین کے عوام و خواص کا نصب العین حیات ہی یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر ممکن کوشش صرف کر دیں کہ خدا سے اس کا غلبہ و تسلط، سطوت و حکومت چھن جائے کیونکہ اشتراکی نظام کا بدترین دشمن خدا کا وجود ہے۔"

مقدمۂ سازش (میرٹھ) کے ملزم مسٹر نمبکار نے اپنے بیان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہم اس امر کو صیغۂ اخفا میں رکھنا نہیں چاہتے کہ ہم اشتراکیین دنیا کے تمام

مذاہب کے خلاف ہیں اور ہم کبھی اس بات کو گوارا نہیں کرسکتے کہ دنیا میں مذہب کی تبلیغ ہو یا کوئی اشتراکی مذہبی عبادات و مناسک کو ادا کرے۔"

اس کی تصدیق دوسرے ملزم مسٹر آوھیکار نے ان الفاظ میں کی تھی۔

"ہم بحیثیت اشتراکیین "Marxish" اور مادہ پرست مذہب اور خدا کے دشمن ہیں۔ لینن نے تو اسی بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ مذہب کیخلاف بھی جنگ اسی زور و شدت سے جاری رکھی جائے جس طرح جماعتی تفریق کے خلاف جنگ ہو۔ چنانچہ اشتراکیین کی پانچویں کانفرنس میں مذہب کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا وہ بالکل عیاں ہے کہ سرمایہ داری کے تعصبات اور تخیل پرستی کے مقابلہ کے لئے سب سے پہلے مذہب سے جنگ کرنی ہوگی اور اس کے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کرنا پڑیگا۔ بالخصوص مزدوروں کی اس جماعت میں جہاں انکی روزانہ زندگی میں مذہب عمیق اثر پیدا کرچکا ہے۔"

چنانچہ پانچویں کانفرنس کے محولہ بالا شق کے الفاظ یہ ہیں:۔

"مذہب، حکومت اور کلیسا کے خلاف جنگ کرنا۔"

اس اصول اور اصول کی فروعی تصریحات کے ماتحت ۱۱ فروری ۱۹۲۲ء کو حکومت سوویٹ نے فیصلہ کردیا کہ قحط سالی کے اندفاع کی آڑ میں تمام عبادتگاہوں کی املاک ضبط کرلی جائیں RussiaReparted by wallr daranty 1921-1933

یہی نہیں بلکہ ماسکو یونیورسٹی کے پروفیسر "Julius F. Hecker" نے اپنی کتاب موسومہ Religion under the Soveit جو درحقیقت روس کی تائید میں لکھی ہے، لکھا ہے:۔

"بالشویک کٹر مادہ پرست اور دہریہ ہیں، مذہب ان کے نزدیک دورِ جہالت کی قلبی گمراہی کا نام ہے یا ایک فریب ہے یا افیون ہے، اور کلیسا ان کے نزدیک اقتدار پسند جماعتوں کا ایک ڈھونگ ہے جو زیردست انسانوں کے تذلیل اور تعبد کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک اشتراکیت کی تہذیب جدید میں مذہب کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔"

پھر لکھتا ہے:۔

اشتراکیئیں کے محض اپنی ہی جماعت کے اراکین ہی سے اس دہریت کا اقرار نہیں لیتے بلکہ غیر اشتراکیئین میں بھی ان عقائد کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے افراد کے نصاب تعلیم کو ایسے اجزاء پر مشتمل کیا گیا ہے کہ وہ خود بخود ایسے لامذہبی معتقدات کو ذہن میں لئے ہوئے آگے بڑھیں"۔

آگے چل کر تحریر ہے:۔

"ان کے نزدیک زندگی صرف اسی دنیا کی ہے اس کے بعد پھر وہ کسی اخروی زندگی کے قائل نہیں۔ ان خیالات کی نشر واشاعت کیلئے ان کی سوسائیٹیاں قائم ہیں جنہیں جمعیتہ "منکرین خدا" کہا جاتا ہے۔ ان جماعتوں کو اشتراکی پارٹی سے پوری امداد حاصل ہے"۔

پچھلے دنوں اسی انجمن "منکرین خدا" کے صدر Yaroslavsky کی تقریر کے اقتباسات اخبارات میں شائع ہوئے تھے جن میں اس نے اپنی انجمن کے اراکین کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ:۔

"چونکہ خدا کے خلاف پروپیگنڈا کچھ سست پڑ گیا ہے اس لئے خطرہ ہے

کہ مذہب کا شگوفہ پھر نہ پھوٹ آئے۔ لہذا ضرورت ہے کہ پروپیگنڈا نہایت شد و مد سے کیا جائے۔ ("ہندوستان ٹائمس" مورخہ 14 3/34 ولیڈر مورخہ 16 3/34)

اخلاق۔ اشتراکیت کا یہ جہاد صرف خدا اور اس کے متعین کردہ قوانین کے خلاف ہی نہیں ہے بلکہ اس تجدد پسندی اور حدود شریعہ کے نشست میں وہ ہر اُس اخلاقی قانون و شرائط کو کالعدم کر دینے پر تلے بیٹھے ہیں جو اس سے قبل کسی معلم اخلاق یا عام سوسائٹی کے اراکین نے نظام امنیت عالم کیلئے وضع کئے ہوں۔ چنانچہ لینن اپنی ایک تقریر میں نوجوانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

"ہم ان تمام اخلاقی حدود و شرائع کی مذمت کرتے ہیں جو کسی مافوق الفطرت عقیدہ کا نتیجہ ہوں۔ ہمارے خیال میں اخلاق کا نظریہ ہمیشہ جماعت کے ماتحت ہونا چاہیئے ہر وہ حربہ جو قدیم غاصبانہ نظام معاشرت کیخلاف اور مزدوروں کی تنظیم کی تائید میں استعمال کرنا ضروری سمجھا جائے عین اخلاق ہے۔ اشتراکیین کا اخلاق و شریعت تو صرف اسی قدر ہے کہ ڈکٹیٹر کی قوت و سطوت کا استحکام و استقلال کس صورت سے برقرار رہ سکتا ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے سب ناجائز ہے۔ چنانچہ جماعتی مفاد کی خاطر جرائم کا ارتکاب، دروغ بافی، فریب دہی، عین حق و صداقت ہے۔ نہیں! بلکہ معاندین کے خلاف کذب و افتراہی بعض اوقات سب سے اہم حربے ہوتے ہیں۔" (لینن اور گاندھی)

اسی حقیقت کا اعادہ "مبادیات اشتراکیت" میں ان جامع الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

"جو کچھ جماعتی جد وجہد کی تائید میں ہو، عین حلال و درست۔ اور جو اس کے راستہ میں مزاحمت کرتا ہو وہ حرام ونا جائز"

اور یہ نظریہ اشتراکیت میں کچھ بعد کی پیداوار نہیں بلکہ تقلیب و تبدل کی یہ تمام عمارت ہی ان بنیادوں پر استوار کی گئی ہے جس کی داغ بیل خود مارکس نے اپنے منشور میں ان الفاظ میں ڈالی تھی:۔

"اشتراکیت کے انقلاب میں ان تمام کہنہ خیالات کی تبدیلی مضمر ہے جو مختلف ادوارِ عالم میں مختلف شکلوں میں رونما ہوئے ہیں"

نظامِ عائلی جب مذہب و اخلاق کی حدود و قیود یوں توڑ کر رکھدی گئیں تو سب سے پہلے مرد و عورت کے جنسی تعلقات کو تمام اغلال و سلاسل سے آزاد کیا گیا۔ خدا سے انکار اور مکافاتِ عمل کے اعتقاد سے بیگانگی کا اولین نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ فطرتِ انسان پر جذبات بہیمہ غالب آجائیں اور خواہشات سفلیہ قوائے ملکوتی کے حسنِ ازلی پر خباثت و رذالت کے گھناؤنے پردے ڈال دیئے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ آواز ۱۹۰۷ء میں Artsybashev نے بلند کی جس نے ایک ناول لکھا جس کا نام (Sanine) تھا۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"خواہشات نفسانی کو بلا قیود دبا دینا، بندش کرنا ہی بین خطیت ہے اس لئے نہ ضمیر کی آواز کی پرواہ کرنی چاہیئے اور نہ ہی خدا اور انسانوں کے وضع کردہ اصولوں سے خائف ہونا چاہیئے۔ بادہ نوشی اور حرام کاری میں کوئی ایسی معیوب بات نہیں ہے جس سے انسان خواہ مخواہ شرماتا پھرے۔ تہذیب و تمیز

مے نوشی اور ہیجِ جذبات فحش کاری فطرتی جذبات ہیں اور جو چیز فطری ہو وہ ناجائز کیسے ہوسکتی ہے چنانچہ Samine کی اس صلائے عام پر بہت سے نوجوان مرد و عورتوں نے لبیک کہا اور بلاقید و ہوس رانیوں کی عام سوسائیٹیاں وجود میں آگئیں۔ اسی طرح وہاں شراب کی بھی بیشمار قسمیں رائج ہوگئیں۔ چنانچہ مسٹر Alexan den Wick Slead نے اپنی کتاب Teanyearsin soveit Russia میں بادہ نوشی کی کئی قسمیں گنائی ہیں۔ لیکن اس سے کہیں گہرا اور کہیں زیادہ خطرناک اثر سلسلہ ازدواج و مناکحت پر پڑا کہ جس پر فی الواقعہ مدنی الطبع انسان کی عائلی زندگی کا کلیتہً دارومدار ہے۔ چنانچہ زمین، سرمایہ اور جائیداد کی طرح اشتراکیت کی رو سے عورت بھی کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ وہ تمام افراد جماعت کی مشترکہ ملکیت ہے جس کی تقسیم جنسی و ماحصل محنت کی تقسیم کی طرح حکومت کی طرف سے ہوتی ہے۔ کسی شخص کو حق نہیں رہتا کہ کسی عورت کو "میری بیوی" کہہ سکے۔ بیوی وہ سب کی ہے اور ملکیت حکومت کی ہے۔ اس اشتراک کا تخیل بھی اشتراکیئین کے مورثِ اعلیٰ مزدک ایرانی کی رفعتِ اخلاق کا رہینِ منت ہے۔ چنانچہ اس کے نظامِ اشتراکیت میں بھی مناکحت کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ عورت مشترکہ بیوی اور بچے حکومت کی اولاد سمجھے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

Encly-Religionsa Elhiss.

چنانچہ اگرچہ روس میں ابھی اشتمالیت کے طرز کی حکومت ہی ہے جو اشتراکیت سے کہیں معتدل اور نرم رو ہے لیکن وہاں عورت و مرد کے جنسی تعلقات کے لئے کسی نکاح و عقد کی بندش ضروری نہیں۔ جب تک کسی جوڑے کا جی چاہے میاں بیوی

کی حیثیت سے رہے۔ البتہ اعداد و شمار کی سہولیت اور قانون کی دیگر شقوں میں آسانی کی خاطر اتنا ضروری ہے کہ قانونی حیثیت حاصل کرنے کیلئے وہ کسی مجسٹریٹ کے سامنے جا کر اپنے ان تعلقات کی اطلاع کر دیں۔ یہ محض رسمی سی بات ہے ورنہ رجسٹری شدہ اور بلا رجسٹرڈ میاں بیوی کی اولاد میں قانوناً و عرفاً وہاں کسی قسم کا امتیاز نہیں رہتا۔ البتہ جو شادیاں مذہبی قواعد کے مطابق سرانجام پائیں حکومت انہیں قانوناً تسلیم نہیں کرتی (Soveit union year book for 1928)

شادی کی غرض و غایت بھی وہاں تولید و افزائش نسل انسانی یا نظام عائلی کی طرز زندگی بسر کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود اس سے محض تعیش و ہوس رانی ہے مانع حمل تدابیر اگرچہ آج تمام مہذب دنیا میں رائج ہو چکی ہیں لیکن روس میں اس کے لئے حکومت کی طرف سے باقاعدہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کھلے ہوئے ہیں۔ پھر ایک نمایاں فرق اور بھی ہے کہ یورپ یا دیگر مہذب ممالک میں تو ابھی حرامکاری کے نتائج کو بالعموم چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ اس سے صنف نازک کی عفت پر دھبہ آتا ہے اور مانع حمل تدابیر اکثر حالات میں اس لئے عمل میں لائی جاتی ہیں کہ فحش کاری پر مہر تصدیق ثبت نہ ہو جائے لیکن روس میں جب جائز اور ناجائز بچے کا امتیاز ہی کوئی نہیں تو وہاں مانع حمل تدابیر لامحالہ اس لئے اختیار کی جاتی ہیں کہ اولاد پیدا نہ ہو۔

علاوہ بریں وہاں اسقاط حمل بھی قانوناً جائز ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کی طرف سے وہاں مخصوص ہسپتال اس غرض کے لئے کھلے ہوئے ہیں جہاں اسقاط حمل منظم طریقہ سے عمل میں لایا جاتا ہے۔ (Modern Russia by Cecil Hamilton)

پھر چونکہ وہاں مکانات کی ازحد قلت ہے اس لئے اکثر اوقات وہاں ایسے احکام بھی نافذ کرنے پڑتے ہیں جن کی رو سے مرد و عورت کو جنسی اختلاط کی تو اجازت دیدی جاتی ہے لیکن نتائج مباشرت کے ظہور میں لانے سے منع کیا جاتا ہے۔ اسقاط حمل اس کیلئے بھی ضروری ہوتا ہے۔ (Youth in Russia)

مناکحت کے بعد وہاں طلاق کا سوال آتا ہے۔ طلاق حاصل کرنے کیلئے وہاں متعاقدین میں سے کسی ایک کا عدالت میں جا کر صرف اطلاع دیدینا کافی ہے کہ اسے فریق ثانی کے ساتھ رہنا منظور نہیں (Soviet year book-1929) اس کے بعد اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی کہ فریق ثانی کو اطلاع بھی دی جائے۔ چنانچہ Modern Russia میں Cecil Hamilton کے بیان کے مطابق وہاں لفٹ چھٹانک گھی حاصل کرنا تو مشکل ہے لیکن اس کے مقابلہ میں طلاق حاصل کرنا آسان ہے۔ خاتون موصوفہ رقمطراز ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صبح کے وقت مرد اپنے گھر کو چھوڑ کر گیا شام کو وہاں آیا تو نہ بیوی موجود ہے نہ بچے۔ ایک اطلاعی کارڈ رکھا ہے کہ بیگم صاحبہ آج کسی اور کی زینت آغوش ہوگی اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مکانات کی قلت کی وجہ سے طلاق حاصل کردہ عورت کو دوسرا مکان حکومت کی طرف سے نہیں ملتا اور وہ اسی پہلے مکان میں دوسرے مرد کے ساتھ رہنے لگتی ہے۔ فقط درمیان میں ایک پردہ لٹکا لیا جاتا ہے۔

پھر ایک کشمکش اور بھی ہوتی ہے۔ طلاق کی صورت میں چونکہ بچہ کی کفالت کا مرد کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے اس لئے استقرار حمل کے اوپر باپ کا تقاضا ہوتا ہے کہ

حمل کو ساقط کرا دیا جائے. لیکن عورت اس حمل کو اپنی آئندہ زندگی کی کفالت کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہوتی ہے اس لئے وہ اس جنس گرانمایہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی لیکن عدالت میں اگر باپ یہ ثابت کردے کہ اس عورت کا بیک وقت کئی ایک مردوں کے ساتھ تعلق تھا تو بچے کی کفالت کے اخراجات سب میں برابر تقسیم ہو جاتے ہیں

Modern Russia

اسی تگ و دو اور کش مکش کا نتیجہ ہے کہ بچے اکثر اوقات لاوارث چھوڑ دیئے جاتے ہیں. حکومت نے ان کے لئے پرورش گاہیں بنا رکھی ہیں لیکن ان میں اتنی گنجائش کہاں. چنانچہ مسٹر Domitlatt بلجیم قونسل نے اپنے چشمدید حالات شائع کئے تھے جن سے ظاہر تھا کہ وہاں تقریباً پچاس لاکھ بچے لاوارث مارے مارے پھرتے ہیں جنہیں نہ کھانے کو ملتا ہے نہ رات کو سونے کیلئے چھت میسر ہے اور محض شکم پری کے لئے اکثر اوقات بارہ بارہ سال کی لڑکیوں کو فحش کاری کا مرتکب ہونا پڑتا ہے اور طرفہ یہ کہ ایسے قبیح و خبیث ذرائع سے حاصل کردہ کمائی کا ایک حصہ بھی حکومت کا نمائندہ لے جاتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ بالآخر اسی کی زیر نگرانی سرانجام پاتا ہے۔ Communism exposed

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ اشتراکیت کی معتدل شکل اشتمالیت روس میں جب نظام عائلی کا یہ حال ہے تو اصل اشتراکیت میں تو خانگی زندگی کا وجود ہی اٹھ جائے گا. مذکورۂ صدر واقعات کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو لامحالہ اشتراکیت کے اصول میں جب یہ داخل ہے کہ عورت بھی املاک انسانی کی طرح جماعت کی مشترکہ ملکیت ہے اور جنسی تعلقات کے لئے کسی نکاح و پابندی

کی ضرورت نہیں تو ان حالات میں عائلی زندگی کا جو حشر ہو سکتا ہے ظاہر ہے نہ خون کے رشتے رہیں گے، نہ ترکہ و وراثت کا سوال ہوگا، نہ کوئی عورت محرمات میں سے ہوگی، نہ کوئی باپ کہلائے گا، نہ بیٹا کسی سے منسوب ہو سکے گا، نہ کسی کی کوئی بیوی ہوگی، نہ بیوی کا خاوند ہوگا، نہ ہمشیرہ کی تمیز ہو سکے گی، نہ ماں کی پہچان، غرضیکہ انسانوں کی بستیاں حیوانوں کا ایک وسیع جنگل ہوگا جہاں جذبات شہوانیہ کے فرو کرنے کے لئے دو متضاد جنسوں کے افراد اکٹھے رہ رہے ہوں گے۔

طریق کار:۔ یہ تو تھے مختصراً اشتراکیت کے نظریئے اب دیکھنا یہ ہے کہ ان نظریوں کو عملی شکل میں لانے کے لئے اس تحریک کے اصول و مبادیات میں کیا کیا تجاویز رکھی گئی ہیں۔ مارکس کے منشور کے بعد تحریک اشتراکیت میں لینن کی کتاب n Revolution - o - Scale گویا عہد جدید کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں لینن لکھتا ہے:۔

"سرمایہ داری نظام حکومت کی جگہ اشتراکیین کی حکومت کا برسر اقتدار آجانا تشدد آمیز انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔"

پھر دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

"مزدوروں کی جماعت کی آزادی تشدد آمیز انقلاب اور موجودہ نظام حکومت کی مشینری کی مکمل تخریب کے بغیر ممکن نہیں۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۳ پر لینن انجلز کے ایک مقالہ کا اقتباس دیتے ہوئے لکھتا ہے (جو ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا تھا) کہ

"انقلاب ایک ایسا عمل ہے جس کی رو سے آبادی کا ایک حصہ دوسرے

حصہ پر اپنا اختیار و ارادہ، قوت و استیلا، نوکِ شمشیر، گولیوں کی بوچھار اور آتشین
گولوں کے دھماکوں سے زبردستی مسلط کر دیتا ہے

پھر لینن لکھتا ہے:-

"ہم حکومت کی مشینری کی مکمل تخریب اس انداز سے چاہتے ہیں کہ مسلح
مزدوروں کی جماعتیں زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں"

سنہ ۱۹۰۵ء کے انقلاب روس کے بعد لینن نے اس باب میں اپنے خیالات ان
الفاظ میں ظاہر کئے:-

"ہم اس حقیقت کو بالکل نہیں چھپانا چاہتے کہ اس کے بعد جو انقلاب ہوگا
وہ بڑا خون آشام اور ہلاکت آفریں جنگ ہوگی" A.B.C. of Communism
جس کا پہلے ذکر آچکا ہے، انہیں خیالات سے لبریز ہے اور اس میں بتایا گیا ہے
کہ ان حالات کے ماتحت مزدوروں کی جماعت کے لئے خانہ جنگی Civil war
بالکل لاینفک ہو جاتی ہے۔ اسی کتاب کے آخری باب میں ان تمام تفصیلات کو
اجمالاً ان الفاظ میں قلمبند کیا گیا ہے کہ "اشتراکیت کا انقلاب صرف اسی صورت
میں کامیاب ہو سکتا ہے جب کہ یہ عالمگیر انقلاب کی شکل اختیار کر لے"

Stalin اپنی مشہور کتاب Leninism میں بھی ان ہی
تدابیر کو بروئے کار لانے پر زور دیتا ہے Foundations of Leninism
اور Problems of Leninism کے ابواب میں شرح و بسط سے
ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے مختلف گوشوں اور متباین شعبوں پر غور و فکر
کیا گیا ہے۔ روس کی کمیونسٹ جماعت نے سنہ ۱۹۱۹ء میں ایک [illegible]

پیغام دنیا کی کمیونسٹ جماعت کے نام بھیجا تھا جس میں منجملہ دیگر امور یہ بھی تھا کہ :۔

"اس جدوجہد اور جنگ وجدل کا طریق عمل یہ ہوگا کہ جمہور مزدور کی جماعت میدانِ عمل میں آجائے اور سرمایہ داری نظام کے خلاف توپ و تفنگ اور خنجر و شمشیر سے کام لے"۔

اس کے بعد کمیونسٹ روس کی دوسری کانگریس منعقد ہوئی جس میں جملہ مزبورہ صدر تدابیر سے اتفاق کرتے ہوئے مقاصد انقلاب کے ماتحت قرار پایا کہ :۔

"بین الاقوامی اشتراکیت اپنا نصب العین یہ مقرر کرتی ہے کہ بین الاقوامی سرمایہ داری کے نظام حکومت کے خلاف مسلح جنگ شروع کر دے"۔

ازاں بعد ۱۹۲۴ء میں پانچویں کانگریس میں ان امور کے جزئیات و فروعات کی تفصیل طے پائی چنانچہ اس کی روئداد میں منجملہ دیگر امور یہ بھی پایا جاتا ہے۔

"وقت آگیا ہے کہ تمام اشتراکیین پر یہ فرض کر دیا جائے کہ تمام ممالک عالم میں خواہ وہ جماعتی جنگ کے اعتبار سے آزاد، قانون پسند اور امن جو ہی کیوں نہ ہوں، منظم طریق پر جماعت کے ایسے کاموں میں شریک ہو جائیں خواہ وہ ناجائز ہوں یا جائز"۔

یہی چیز ٹراٹسکی نے اپنی کتاب Defence of Terrorism میں پیش کی ہے جہاں وہ لکھتا ہے کہ :۔

"انقلابات کا تقاضا ہے کہ وہ انقلاب پسند جماعتوں سے مطالبہ کرے کہ جو قوت ان کے حیطۂ اختیار میں ہو، اُسے بروئے کار لے آئیں۔ اگر ضرورت

ہو تو ایک مسلح شورش کے ذریعہ، اور اگر مناسب سمجھیں تو دہشت انگیز طریقوں کی وساطت سے۔"

چونکہ جماعتی مفاد کے حصول کے لئے اشتراکیت میں جائز و ناجائز کی کوئی تمیز باقی نہیں رکھی گئی اس لئے ان کے نزدیک حلیف و حریف برابر ہیں۔ عہد و پیمان اور میثاق و معاہدہ کوئی شے نہیں۔ بظاہر دوست ہونگے لیکن اس دوستی کے پردہ میں تخریب و استیصال کی ہر ممکن کوشش بروئے کار لے آئیں گے۔ لہٰذا ان پر نہ امن و صلح کے زمانہ میں کوئی بھروسہ، نہ جنگ و قتال کے وقت کسی ایفائے عہد کی توقع، اور یہ صرف ہمارے نظری دلائل اور قیاسی نتائج ہی نہیں بلکہ واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ روس کے بعد کمیونسٹ کی سب سے بڑی جماعت جرمنی میں ہے۔ (نظام شمسی مطبوعہ لیبر پارٹی لنڈن) کے ایک بیان کی رو سے گذشتہ دس سال میں پارلیمنٹ میں جرمن گورنمنٹ کے خلاف ملامت و سرزنش کے رزولیوشن آدھے کمیونسٹ جماعت کی تحریک اور قوم پرستوں اور نازیوں کی تائید سے اور باقی نصف نازیوں اور قوم پرستوں کی تحریک اور کمیونسٹ جماعت کی تائید سے پاس ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں کی کمیونسٹ جماعت اور قوم پرست نازیوں میں کس قدر دوستانہ تعلقات ہیں۔ لیکن کامریڈ .... کی ایک تقریر سے ظاہر ہوا۔ (جو اس نے کمیونسٹ کانگریس میں کی تھی) کہ وہیں جرمنی میں ایک لاکھ کمیونسٹ قوم پرستی کا قصر منہدم کرنے کے لئے خفیہ سازش کر رہے تھے (جریدہ "اصلاح کابل" مورخہ $7\frac{3}{34}$

اشتراکیت کے آہنی حصول اور ان اصولوں کے پروپیگنڈا کا اثر ہے کہ ۱۹۰۵ء کے
بعد آج تک اقصائے عالم کا کوئی گوشہ امن و امان کی زندگی بسر نہیں کر سکا۔ ہر ملک اور ہر
طبقہ میں عدم اطمینان و فقدان سکون کی ایک رو چل گئی ہے جو مختلف قسموں کے
انقلابات کی شکل میں آئے دن امن عامہ پر برق خاطف بن کر گرتے رہتے ہیں
چنانچہ ۱۹۰۵ء میں انقلاب روس کے بعد ۱۹۰۶ء میں ایران میں ۱۹۰۸ء میں
ترکی میں اور ۱۹۱۱ء میں چین میں انقلابات کا سیلاب امڈا۔ یورپین ممالک میں یہ
انقلابات اسٹرائک کی شکل میں پیدا ہوئے، ۱۹۱۱ء میں ریلوے کی جنرل
اسٹرائک ہوئی، ۱۹۱۲ء میں کان کن مزدوروں کی اسٹرائک ہوئی۔ اسی طرح
۱۹۱۰ء میں جرمنی میں عام نیابت کے لئے مزدوروں نے مظاہرے کئے
اور روس میں ۱۹۱۴ء میں باکو وغیرہ کے کارخانوں میں اسٹرائک ہوئی۔ پھر جنگ عظیم
کے بعد تو ان انقلابات کو پوچھنا ہی نہیں۔ تاریخ عالم میں جو تغیرات صدیوں میں
ہوا کرتے تھے وہ اب دنوں میں ہو جاتے ہیں اور اگر دس بیس سال ادھر کی تاریخ
کے اوراق آج سے سو سال پیشتر کے کسی مدبر و سیاستدان کے سامنے رکھ دیئے
جائیں تو وہ انہیں کبھی حقیقت پر محمول ہی نہ کرے اور یقیناً افسانہ طرازی کہکر خاموش
ہو رہے۔ پھر روس میں ان انقلابات کی وجہ سے نوع بشری جن لرزہ فگن اور
جگر پاش مصائب و آلام کا شکار ہوئی ہے اس کی نظیر تو شاید ہی کہیں ــ ــ
دنیا بھر کی تاریخ کے رنگین اوراق ایک طرف اور ایک روس کے خونی داستان
ایک طرف اور پھر بھی شاید اس کا پلہ جھکا ہی رہے اور آگے آگے دیکھئے
ہوتا ہے کیا۔

نظام حکومت:۔ اب آخر میں یہ دیکھنا باقی ہے کہ ایسی تمثیلی سوسائٹی Ideal Socity کی تشکیل کے بعد جس کے خواب مدعیانِ اشتراکیت دیکھ رہے ہیں۔ اشتراکیت کا نظامِ حکومت کیا ہوگا، اس کے متعلق Stalin اپنی کتاب Lenin ism میں لکھتا ہے:۔

"لینن ازم (عہدِ حاضرہ کی اشتراکیت) سے مراد مزدوروں کی جماعت کے ڈکٹیٹر مقرر کرنے کا نظریہ اور اس نظریہ کی عملی ہیئت کذائی ہے"

اس کے بعد ڈکٹیٹر شپ (Dictator ship) کی مزید تفصیل لکھتا ہے جس میں خود لینن کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں:۔

ڈکٹیٹر شپ ایک ایسی مختار عام ہستی کا نام ہے جس کا وجود قاطبۃ قوتوں کے ہجوم پر مبنی ہو۔ ایک ایسی مطلق انسان ہستی جو کسی قانون اور کسی ضابطہ کی پابند نہ ہو۔ آئینی نظامِ حکومت کے علمبردار سن رکھیں اور خوب غور سے سن رکھیں کہ ڈکٹیٹر شپ کے معنی ہیں، "قوت" غیر محدود قوت، ایک قاہرہ قوت جو جبر و اکراہ پر مبنی ہو اور آئین و دستور، شریعت و قانون سے اسے کچھ سروکار نہ ہو"

Foundations of Lenin ism میں لینن اس اجمال کی مزید تفصیل دیتا ہے اور لکھتا ہے:۔

"مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ ایک انقلاب پسند صاحب اقتدار ہستی کا نام ہے جس کی مطلق العنانی سرمایہ داری کی مکمل شکست و ریخت کے بعد لوگوں سے بجبر منوائی جائیگی"

دوسری جگہ وہ لینن کے الفاظ نقل کر کے لکھتا ہے:۔

"مزدوروں کا ڈکٹیٹر جمہوریت کے انداز کی صاحبِ اقتدار ہستی نہ ہو گی کہ جس کا انتخاب رائے عامہ سے عمل میں آجائے۔"

چنانچہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، شروع شروع میں مزدوروں اور کسانوں کے مندوبین پر مشتمل ایک آئینی مجلس بھی قائم ہوئی تھی لیکن ۷ جنوری ۱۹۱۸ء کو لینن نے اس مجلس کو کالعدم کر کے اپنے ڈکٹیٹر ہونیکا اعلان کر دیا۔

عملی حیثیت سے بھی آجکل اگرچہ روس کی حکومت اپنے آپ کو اشتمالی جمہوریت Socialist Re public کہتی ہے لیکن درحقیقت وہاں اشتراکیین کی جماعت اور اس جماعت کا ڈکٹیٹر ہی اصل حاکم اور خود مختار ہے۔ حالانکہ اشتراکیین کی تعداد وہاں کل آبادی کے تناسب کے لحاظ سے 5% ۔ ۰ (صفر اعشاریہ پانچ فیصدی) سے بھی کم ہے J.D onillitz Bel gian Consul Russia

اور پھر اس جمہوریت میں جس انداز سے ملک کے نمایندے منتخب ہوتے ہیں اس کا اندازہ اُس کسان کے بیان سے لگ سکتا ہے جس نے کانگریس کے بھرے مجمع میں کہدیا کہ رائے عامہ تو محض ایک کھلونہ ہے۔ اگر ہمیں اشتراکیین مجبور کریں تو ہمیں ایک ٹٹو کو نمایندہ بنا کر بھیجنا پڑ جاتا ہے Com mu nism ex posed

تصریحاتِ بالا سے اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اشتراکیت کا موجودہ نظامِ حکومت بالکل شخصی ہے اور ایسا ہی مطلق العنان جیسا شہنشاہیت کا نظامِ حکومت ہوتا تھا چنانچہ R eligion under the soviet کا مصنف لکھتا ہے

"بالشوزم اپنی ڈکٹیٹر شپ کے ساتھ بلا شائبہ تشکیک ایک شخصی حکومت ہے بلکہ قدیم نظامِ شخصیت سے بھی زیادہ خود اختیار"

اسی کی تائید اشتراکیوں کی تیسری بین الاقوامی کانفرنس نے ان الفاظ میں کی :-

"سیاسی نظامِ حکومت میں جمہوریت کے طرزِ حکومت کو مسترد کر دیا جائے۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

اور یہ بھی اس وقت تک ہے جب تک کامل اشتراکیت حاصل نہیں ہوتی ورنہ اس وقت تو نہ کوئی حکومت ہوگی، نہ نظامِ حکومت، نہ قانون ہوگا، نہ قانون کی پابندی۔ مزدوروں کی جماعت کا ایک ریوڑ ہوگا جو مشترکہ چراگاہوں سے بقدرِ کام و دہن اپنا اپنا حصہ وصول کر لیا کریگا اور اس طرح سے انسانیت اپنے اس معراجِ اعلیٰ تک پہنچ جائے گی جو اس کی تخلیق کا مقصدِ اولیٰ ہے۔

تجزیہ :-

ان اصول و مبادیات کو پیشِ نظر رکھ کر جس نتیجہ پر لازمی طور پر پہنچا جائیگا وہ یہی ہے کہ اشتراکیت کا نصب العین اور دستورِ اساسی حسبِ ذیل شقوں میں منقسم ہوگا۔

نظامِ معاشی :- (۱) ہر قسم کی شخصی اور انفرادی ملکیت خواہ وہ جائداد کی شکل میں ہو یا سرمایہ کی صورت میں، یکسر مٹا دی جائے۔

نظامِ معاشرتی :- (۲) انفرادی کوششوں اور ذاتی محنتوں کے حاصل کو عوام کی ملکیت قرار دیدیا جائے جس سے جماعتی تفریق مٹ جائے اور مالی مساوات پیدا ہو جائے۔

نظامِ عائلی :- (۳) ازدواجی تعلقات سے تمام قیود و پابندیاں ہٹا دی جائیں۔ عورت کو ہر مرد سے اختلاطِ جنسی کی مکمل آزادی ہو۔ بچے عوام کی

ملکیت قرار دیدیئے جائیں اور اس طرح سے نظام عائلی کو کالعدم کر دیا جائے۔

نظامِ حکومت:۔ (۴) ہر قسم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے اور جب تک اس منزل پر نہ پہنچا جائے ایک قوت قاہرہ، منزہ عن الخطاء مطلق العنان ڈکٹیٹر کو تمام اختیارات دیدیئے جائیں۔

نظامِ مذہب:۔ (۵) خدا کی ہستی کا اعتقاد ذہنِ انسانی سے محو کر کے تمام مذاہب کا نام صفحۂ ارض سے مٹا دیا جائے۔ اس سے عاقبت پر ایمان خود بخود نابود ہو جائے گا۔

طریق کار:۔ (۶) ان نظریات کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جائز و ناجائز ہر حربہ استعمال کیا جائے اور خون و آتش کی ہلاکت انگیزیوں سے لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس تحریک میں شامل ہوں۔

اسلام

اگرچہ اشتراکیت کے عناصر ترکیبی میں شق ۵ ہی اس تحریک کے خلافِ اسلام ہونے کیلئے کافی ہے اور اس کیلئے کسی مزید تبصرہ یا حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ عقائد کو چھوڑ کر اشتراکیت کی باقیماندہ تعلیم گویا اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ اس لئے ہم اسکے ایک ایک عنصر کو لیتے ہیں اور قرآن کریم کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ اسے اسلام سے کیا تعلق ہے چونکہ ہمارا مقصد محض جذبات کے سیلاب میں بہا کر بصیرتِ انسانی کو دھوکا دینا نہیں بلکہ غور و تدبر سے اس تحریک کی کلیات و جزئیات کو اسلامی ترازو میں تولنا ہے اس لئے جس طرح اشتراکیت کے تعارف میں انہی اصولوں کو معتبر سمجھا گیا ہے جو مدعیانِ تحریک کے نزدیک مستند ہیں اور ان کے ماورا فروعات یا ذاتی قیاسات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی اسی طرح اسلامی تعلیم کو پیش کرتے وقت قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور سنت نبوی کی حکمت بالغہ ہی کو سامنے رکھا جائیگا کہ اس میں کسی مزید بحث و ارتیاب کی گنجائش نہ رہے۔ وفیہا بصائر للناس

نظام معاشی۔ نفی ملکیت ذاتی

اشتراکیت اور اسلام میں سب سے پہلا افتراق اسی بنیادی اصول سے شروع ہو جاتا ہے۔ اشتراکیت کسی ذاتی اور انفرادی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتی لیکن اسلام ہر شخص کی کمائی اس کی ذاتی ملکیت قرار دیتا ہے۔ زمانۂ ظہورِ اسلام میں بالعموم جائیداد و املاک مویشیوں کی شکل میں ہوتی تھیں۔ اس کے لئے فرمایا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۳۶ : ۷۱	کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے انکے لئے اپنے دست قدرت سے مویشی پیدا کئے جن کے یہ لوگ مالک ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب خدا کی بنائی ہوئی چیزیں انسان کی ملکیت ہو سکتی ہیں تو انسان کی اپنی کمائی اور مصنوعات تو یقیناً اس کی انفرادی ملکیت ہونگی۔ ارشاد ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ	جو مرد کماتے ہیں ان میں ان کا حصہ ہے اور جو عورتیں کماتی ہیں ان میں ان کا حصہ ہے۔

اشتراکیت کی نفی املاک کا اثر صرف اسلامی نظام معاشی تک محدود نہیں بلکہ اسلام نے ہر شخص کی کمائی اور جائیداد کو انفرادی ملکیت قرار دیکر جو تمدنی اور عمرانی نظام ان بنیادوں پر قائم کیا تھا، اس نفی سے وہ سب کا سب منہدم ہو جاتا ہے اور چونکہ اسلام صرف عبادتگاہوں کی چار دیواری تک ہی مقید نہیں ہے بلکہ وہ جس سوسائٹی اور جس نظام تمدن کی تشکیل کرتا ہے وہ بھی مسلمانوں کے لیے عین دین ہے کیونکہ اس کی بناء قرآن و سنت کے نظام پر ہوئی۔ اس لیے جس نظام سے اسلامی نظام منتشر ہو رہا ہو وہ نظام مسلمانوں کیلئے کبھی قابل تحسین نہیں ہو سکتا۔ اس کا تفصیلی ذکر اگرچہ نظام معاشرت اور نظام عائلی کے تحت آئیگا لیکن نظام معیشت کے اصول سے تفرعاً جو اثرات ان دیگر نظاموں پر پڑتے ہیں ان کا ذکر یہاں کر دینا ضروری ہے۔

اسلام نظام عائلی کا محافظ ہے۔ صلہ رحمی اور قرابت کے حقوق کی ادائیگی اس نے انسانی فرائض میں داخل کر رکھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا	قرابت دار کو اس کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی، اور مال کو بیموقعہ فضول خرچی میں نہ اڑانا

یہی حکم سورۂ روم (۳۰) میں ہے البتہ اخیر میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ گویا قرابت والوں کے حقوق دینا اللہ کی رضا جوئی ہے اور اس کا بدلہ فلاح وبہبودی ہے جو ایک مسلمان (بلکہ انسان) کا آخری مقصد حیات کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کوئی چیز اپنی ملکیت ہو اور اگر غیر کی ملکیت ہو اور کمانیوالے کی ضرورت کے مطابق اسے حصہ ملے تو دوسروں کے حقوق کہاں سے ادا کرے۔

اسی طرح اسلامی ترکہ و وراثت کے احکام بالتفصیل قرآن میں موجود ہیں (اور ترکہ اسی صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے جبکہ کسی کی ملکیت ذاتی کو تسلیم کیا جائے اور وراثت بھی جب ہی مل سکتی ہے کہ اس وارث کی ملکیت ہو جائے) چنانچہ حکم ہے:۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ

اور ہر ایسے مال کے لئے جسے والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ دیں، ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں، اُن کو ان کا حصہ دے دو۔

دوسری جگہ ہے:۔ (۴/۷)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ

مردوں کیلئے حصہ ہے اُس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور قرابتدار چھوڑ جائیں

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اُس چیز
وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ میں سے جس کو ماں باپ اور قرابت دار
مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا چھوڑ جائیں. وہ چیز تھوڑی ہو یا بہت حصہ

قطعی ہے۔ ۴ : ۷

چنانچہ اس سے آگے ترکہ و وراثت کے احکام بہ تمام و کمال موجود ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ وصیت، وراثت، ترکہ کے احکام اسی صورت میں نافذ العمل ہیں جب کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر مرے۔ لیکن یہ بھی کیا ضرور ہے کہ ہر شخص ترکہ چھوڑ کر ہی مرے۔ اس لئے جب ایسی شکل میں ان احکام کا اطلاق ساقط ہو جاتا ہے تو اشتراکیت میں جب ترکہ ہی نہیں ہوگا یہ احکام خود بخود ساقط ہو جائیں گے۔

بظاہر یہ اعتراض قوی نظر آتا ہے لیکن تھوڑے سے تدبر سے اس کی حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے بعض احکام احوال و ظروف سے مشروط ہیں چنانچہ وراثت و ترکہ کے احکام بھی اُسی وقت نافذ ہوں گے جب کوئی ترکہ چھوڑ کر مرے لیکن کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر نہ مرے۔ اس میں اور ایسا قانون بنا دیا جائے جس کی رو سے کوئی ترکہ چھوڑ نہ سکے؟ اس میں نمایاں فرق ہے پہلی صورت میں جواز شرعی کو کسی انسانی قوت نے سلب نہیں کیا۔ لیکن دوسری شکل میں جواز شرعیہ کو انسانی قانون نے منسوخ کر دیا۔ جو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے جن امور کی تفصیل بیان فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا وجود بجائے خود نفس قرآن کے نزدیک مستحسن ہے معیوب نہیں، جائز ہے ناجائز نہیں، حلال ہے حرام نہیں۔ اور جس چیز کو قرآن نے (خدا نے) حلال قرار دیا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے حرام قرار نہیں دے سکتی۔

حتیٰ کہ یہ اختیار تو خود نبیؐ کو بھی نہیں دیا گیا۔ حضورؐ نے ایک قسم کے شہد نہ کھانے کی پابندی اپنے اوپر عائد کر لینے میں "بین فرق تھا جس کا ظاہر کرنا نہایت ضروری تھا فوراً حکم آگیا۔

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ۔ اے نبیؐ جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے آپؐ اسے اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو۔

یا مثلاً قرآن کریم نے قرض لینے اور دینے کے لئے چند قواعد مقرر کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ رکوع ۳۹۔ ان میں ارشاد ہے کہ جب مسلمان آپس میں قرض کا معاملہ کسی مدت معینہ کے لئے کرنے لگیں تو چاہیئے کہ اسے لکھ لیا کریں وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں ایسا وقت آجائے کہ کسی کو قرض لینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کے پاس قرض دینے کو ہی کچھ نہ ہو۔ ان صورتوں میں قرضے کے احکام خود بخود ساقط العمل ہو جائیں گے۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت ایسا قانون نہیں بنا سکتی جس کی رو سے قرآن کے تجویز فرمودہ قواعد دین کو بدل دیا جائے یا جن کی رو سے ایسے حالات بجبر و اکراہ پیدا ہو جائیں کہ ایک طرف ایک مسلمان باوجود جائز ضرورت و احتیاج کسی سے کچھ قرض نہ لے سکے اور دوسری طرف دوسرا مسلمان بوصف استطاعت و اقتدار اپنے مسلمان بھائی کو قرضہ نہ دے سکے۔

بعینہٖ یہی صورتیں اشتراکیت اور قوانین وراثت میں ہیں۔ اشتراکیت کا قانون ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن کی رو سے ترکہ وراثت کا

وجود دیا ہے یا پھر مٹا دیا جائے جو سراسر خدائی کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ
خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے ہر ایک کے لئے ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں
اور (معیار) اشتراکیت کہتے ہیں کہ جنہیں اللہ وارث مقرر کرتا ہے انہیں ہم اس
سے محروم کرتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ایسے قانون کو برداشت کر سکتا ہے جو
خدائی قانون کا ناسخ ہو۔

اس سے بھی اہم ایک اور نکتہ ہے۔ قرآن کریم کی تمام تعلیم کا مطالعہ کر جائیے
اس کی رو سے ایک مسلمان کی زندگی ایک اساسی قانون کے ماتحت نظر آئیگی۔
اور وہ یہ کہ ایک مسلم کی زندگی کا مقصد وحید اور نصب العین حیات ہی یہ ہے کہ وہ
اللہ کے راستے میں ہر وقت ہر ایک ایثار کے لئے تیار رہے۔

قرآن کریم کا سب سے پہلا ورق (پہلا رکوع) جس میں ان انسانوں کی
امتیازی خصوصیات کا ذکر ہے جو صحیح اسلامی سوسائٹی کے افراد
ہوں گے اُن کے لئے تین خصوصیتیں بطور اساس و بنیاد کے قرار
دی گئی ہیں۔

الذین یؤمنون بالغیب ایمان بالغیب
ویقیمون الصلوٰۃ عبادت یعنی (نماز)
ومما رزقنٰھم ینفقون انفاق فی سبیل اللہ

اور اصل نیکی کے متعلق فرمایا
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون (۳۔۹۲) تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے یہانتک
کہ اپنی محبوب شے کو خرچ نہ کر دو گے۔

اب ظاہر ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ذاتی ملکیت تسلیم کی جائے۔ ورنہ جو چیز اپنی ملکیت ہی نہیں اس میں سے انفاق کیسا۔ یہی شرط قرآن کریم نے عائد فرمائی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ گویا جو اللہ نے دیا ہے وہ انفرادی ملکیت ہے۔ اس لئے اس میں سے خرچ کرنا قابل ستائش ہے۔ اور یہی اصل نیکی ہے اپنے مال میں سے غلاموں کو دینے کے متعلق فرمایا۔

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا

اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز کو خرچ کیا کرو۔

مَا كَسَبْتُمْ (جو کچھ تم کماتے ہو) اس سے مطلب ہی یہی ہے کہ جو کچھ تم کماتے ہو وہ تمہاری ملکیت ہے۔ یہی نہیں کہ اپنی کمائی میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا۔ بلکہ جو چیزیں وراثت میں آتی ہیں ان سے بھی صرف کرنے کا حکم فرمایا۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ جس مال کا تم کو (پہلوں سے منتقل کر کے) وارث بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ کہا جا سکتا ہے کہ جب کسی کا سرمایہ۔ جائداد۔ کمائی۔ ورثہ سب کچھ حکومت لے لے تو یہ انفاق کی آخری حد ہے اس سے بڑھ کر قربانی اور ایثار کی مثال کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن اسلامی انفاق (جو تقوے پر

ہنی ہو، اور اس قسم کے جبر میں بڑا فرق ہے۔ اسلام نے ایک ٹیکس ایسا بھی مقرر کیا ہے جس میں کسی کے اختیار و ارادہ کو دخل ہو یا نہ ہو۔ حکومت اس کی آمدنی سے وصول کرلے جسے اصطلاح میں زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اگر بطیب خاطر لمرضات اللہ دیتا ہے تو سونے پر سہاگہ ورنہ وصول بہرحال کیا جائے گا کہ سوسائٹی کے نظام امنیت کے لئے اغنیا صاحبان وسعت سے کچھ لینا ضروری ہوتا ہے اس کے لئے حکم دیا۔

خذ من اموالہم صدقۃ ان کے مالوں میں سے صدقہ تطہرہم وتزکیہم بہا لیجئے کہ اس سے یہ ظاہر و وصل علیہم ۹/۱۰۳ باطن میں پاک ہوجائیں اور ان کے لئے دعا کیجئے۔

لیکن اس کے بعد خیرات کا بھی حکم صادر فرمایا۔ جس میں کسی کے جبر و اکراہ کو دخل نہ ہو۔ بلکہ وہ محض اپنی خوشی سے۔ رضاجوئی باری تعالیٰ کے لئے اس کی راہ میں صرف کیا جائے۔

یسئلونک ماذا ینفقون آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا قل العفو (۲/۲۱۹) خرچ کریں۔ کہدیجئے کہ جتنا آسان ہو۔

اسلامی نظام اتفاق اور دنیاوی قوانین میں ایک بین فرق یہ بھی ہے کہ دنیاوی لو ۔ ین میں محض قومی افادیت اور ملکی مفاد ہی

مقصود ہوتے ہیں۔ لیکن اسلامی انفاق میں ان کے ساتھ تزکیہ قلوب و نفوس بھی پیش نظر ہوتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے ایک طرف قوم کے محتاج، مفلوک الحال افراد کی دستگیری مقصود تھی۔ لیکن دوسری طرف معطی کے قلب کو حب مال کی نجاست سے پاک کرنا اور اس کی جگہ ایثار و قربانی کے جذبہ کی پرورش بھی مطلوب تھی یہ دوسرا مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ انسان پر کسی قسم کا جبر واکراہ نہ ہو۔ بلکہ ارادہ و اختیار کے ساتھ وہ اپنی خوشی سے اپنی طیب کمائی سے، اپنی جائز ملکیت سے، جسے وہ اپنا سمجھتا ہے کسی اور کی خاطر قربان کر دے۔ یہی حقیقی اسلام اور صحیح جذبہ ایثار ہے۔ چنانچہ اس فرق کو کس قدر لطیف پیرایہ میں قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔"

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس (فرض کرو) سات بالیں جمیں اور ہر بال کے اندر سو دانے ہوں۔ اور (افزونی) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے جاننے والے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو اس پر احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے) اس پر آزار بن جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے (اعمال کا) ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور نہ ان پر کوئی

اذیت دہ ہوگا اور نہ ہی مغموم ہوں گے۔ مناسب بات کہہ دینا اور درگذر کرنا بہتر ہے ایسی خیرات دینے سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اور اللہ تعالےٰ غنی و حلیم ہیں۔ اے ایمان والو احسان جتا کر یا آزار پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے (محض) لوگوں کے دکھانے کے غرض سے؛ اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر۔ سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی آگئی ہو۔ پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے۔ سو اس کو بالکل صاف کر ڈالے۔ ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں لگے گی۔ اور اللہ نہ ماننے والوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا اور ان لوگوں کے خرچ کئے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خدا کی رضا جوئی کی خاطر خرچ کرتے ہیں۔ نیز اس غرض سے کہ اپنے نفسوں کو اس عمل شاقہ کا خوگر بنا کر ان میں پختگی پیدا کریں۔ ایک باغ کی مثل ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑے۔ پھر وہ دوگنا چوگنا پھل لایا ہو۔ اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ بھی برسے تو معمولی پھوار ہی اس کے لئے کافی ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے" (البقرہ رکوع ۳۶)

چنانچہ یہاں پر ابار کو بھی کفر قرار دیا ہے کیونکہ اس میں مرضات اللہ کا نہ تھا۔ جہاں تک جبر کو انتشار قرار دیدیا جائے۔ اور پھر اس اختیار و ارادہ کے اتفاق سے جو غرض

بیان کی وہ بھی کس قدر شان دار ہے۔ "تثبیتاً من انفسہم" یعنی اپنے نفس کو اس عمل شاق کا خوگر بنا کر اس میں ایثار و ہمدردی خلائق کی پختگی پیدا کرے۔ کیا یہ چیز اشتراکیت کے جبر میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر یہاں التفات میں بھی حقوق قرابت کو فراموش نہیں ہونے دیا۔ اس صدقہ و خیرات میں اس ہمدردی میں قرابت داروں کو سب سے پہلے جگہ دی۔

قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی (۲:۲۱۵) فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا حق ہے اور یتیموں کا ۔۔۔۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اسلام نے ایک عالمگیر برادری کی بنیاد ڈالی ہے اور اسلامی مواخات اور مذہبی مساوات کی بنا پر جس نوعیت کی تمثیلی سوسائٹی کی تشکیل و تدوین اس نے کی ہے دنیا کے کسی دستور و آئین میں اس کا تخیل آپ کو نہیں ملے گا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آپ کو ملے گی لیکن بایں ہمہ وہ صلہ رحمی کے حقوق کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔ مکہ سے جب بے کس و بے بس مسلمانوں نے اپنا وطن مالوف، اعزا و اقارب، املاک و سامان، غرضیکہ سب کچھ چھوڑ کر خدا کی راہ میں ہجرت کی تو اہل مدینہ نے اپنے ان خانماں برباد بھائیوں کا بڑی خندہ پیشانی

اور مسرت قلبی سے استقبال کیا۔ اور جوش محبت میں اپنی تمام جائدادوں کو اپنے مہاجرین بھائیوں میں نصفا نصف تقسیم کر دیا۔ جس کے پاس دو مکان تھے اس نے ایک مکان دے دیا۔ جس کے پاس باغات تھے اس نے ان کی تنصیف کر دی۔ حتیٰ کہ ایک صاحب اس بات کے لئے بھی آمادہ ہو گئے کہ اپنی ایک بیوی کو اپنے حبالۂ نکاح سے آزاد کر کے اپنے بھائی کے عقد میں دے دیں۔ انسانی مواخات کا یہ وہ نظارہ تھا جسے ملائکہ کی نگاہیں حیرت واستعجاب سے دیکھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ اے اللہ! یہ وہی انسان ہیں جن کے خمیر میں ہم نے یفسد فی الارض ویسفک الدماء کی چنگاریاں دیکھی تھیں۔ درست فرمایا تھا آپ نے کہ انی اعلم ما لا تعلمون لیکن جب انصار نے جوش مواخات میں اپنے دینی بھائیوں کو اپنے ترکہ کا بھی وارث قرار دینا چاہا تو انہیں اس سے فوراً روک دیا گیا۔ اور فرمایا کہ یہ بھائی بندی درست نہیں۔

واولوا الارحام بعضھم۔ جو لوگ رشتہ دار ہیں قانون الٰہی کی رو سے ایک دوسرے اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں

اس کی توثیق سورۂ احزاب کی آیت ۶ میں ہے اور وہاں اتنا اضافہ ہے کہ دوستوں سے سلوک کرنا چاہو تو وہ جداگانہ بات ہے اس کا کچھ حرج نہیں۔

اس حقیقت سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ جس قسم کے معاشی نظام کی بنیاد اسلام
قائم کی ہے اشتراکیت اس کے بالکل منافی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی
نظام معاشی نے اپنے نتائج سے ثابت کر دیا کہ اقتصادی مشکلات کے
حل کے لئے اس سے بہتر نظام وضع ہی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ
جب تک زکوٰۃ باقاعدہ بیت المال میں جمع ہوتی رہی اور اس کی تقسیم کا
طریقہ بھی درست رہا تو اہل حاجت کی امداد اور قومی ضروریات کی کفالت کیلئے
کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ حتیٰ کہ بعض اوقات یہ حالت پیدا ہو جاتی
تھی کہ زکوٰۃ کا روپیہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا اور کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا
اس کے بعد صدقہ و خیرات کی تحریص تھی کہ اغنیاء محتاجوں کے گھروں پر جا جا کر
روپیہ تقسیم کرتے تھے۔ انفاق کے بعد پھر قانون وراثت تھا کہ جس کی رو سے
کسی جائداد کی دوامی ملکیت کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ اور ایک مسلم کی مشترکہ
جائداد چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور دور دور تک انسان
اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور دولت کسی ایک گوشے میں سمٹ نہ پاتی
تھی۔ یہ اقتصادی اصلاح کا ایک نقطہ تھا جس کے لئے معلم الحکمۃ معلم اخلاق
جناب نبی جی نے فرمایا کہ قوانین وراثت معلوم کرو کیونکہ یہ علم نافع کا ضروری
حصہ ہے" (دوسرا پیرا) علاوہ بریں اگر اشتراکیت کے نفی املاک کے اصول
کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اسلام کا ایک بڑا رکن زکوٰۃ مسدود
ہو جاتا ہے۔

نظام معاشرت

مساوات ملی کی تشکیل کے بعد تعلیم اشتراکیت کے نظام میں شہرت جس نے اپنی برق پاش ضیاء پاشیوں سے ایک عالم کو خیرہ کر رکھا ہے۔ ادنیٰ و اعلیٰ امیر و غریب متمول و مفلس کے امتیازات کو مٹا کر ان کی جگہ مالی مساوات کو قائم کرکے تمام انسانوں کو ایک ہی سطح پر لے آنے کا اصول کچھ ایسے سحرکار واقع ہوا ہے کہ عوام تو ایک طرف بڑے بڑے مفکرین اس کی نظر بندی سے مسحور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وہ اصول ہے جسے بلند آہنگی سے عین اسلام قرار دیا جاتا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اسلامی مساوات اور اشتراکی مساوات میں کیا فرق ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے اشتراکیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کی دولت اور ان کی محنتوں کے حاصل کو عمومی ملکیت قرار دیا جائے اور وہاں سے ہر شخص کو اس کی ضروریات کے مطابق کافی مل جائے۔ اس طرح سے ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز اٹھ جائے گا اور سرمایہ دار و مزدور میں جو حد فاصل استوار ہے وہ خود بخود ٹوٹ جائے گی۔ اب اسلام کو دیکھئے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں نظام سرمایہ داری کا سب سے بڑا دشمن اور غریب انسانوں کا ولی و مددگار اسلام ہے۔ تو قرآن کریم کا انداز اس ضمن میں بھی بڑا دلنشیں ہے۔ وہ مختلف امثال و نظائر کو بیان کرکے ہر موقع پر اس نتیجہ کو فرد انسانی کے سامنے بے نقاب کر دیتا ہے کہ اسلام کے نزدیک مال و دولت کبھی معیار فضیلت نہیں ہے۔ کسی انسان کو دوسرے انسان پر محض اس لئے فوقیت

حاصل کرلینے کا حق نہیں کہ وہ زیادہ دولت مند ہے۔ قوت وحشمت کا مالک
ہے۔ دنیاوی وجاہت اس کے پاس ہے۔ نہ ہی یہ بات قابل لحاظ ہے کہ
اس کا حسب ونسب کیا ہے۔ وہ بڑے خاندان کا فرد ہے۔ برہما کے منہ
سے پیدا ہوا ہے اس نے ان تمام تفاخر وتنافر کی قیود وحدود کو مٹا کر ایسے
وقت میں جبکہ دنیا میں ہر چہار طرف فضیلت وفوقیت، مدارج وامتیاز کے
یہی کچھ معیار تھے۔ انسانی نخوت وتکبر کی جڑ پر ایک کاری ضرب لگائی اور ذہن
انسانی کی فریب کاریوں کے ہوائی قلعوں کو ایک ہی ضرب سے منہدم کرکے رکھدیا کہ

یاایها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی
وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان
اکرمکم عند الله اتقکم ۔

اے ساکنان زمین ہم نے تم سب کو ایک
ہی نوع کے افراد یا ایک ہی نوع کی عورت
سے پیدا کیا ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو
اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اس لئے بنادیئے کہ تم ایک دوسرے کو دریافت
کرسکو ورنہ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ قابل عزت وہی ہے جو سب سے زیادہ
پرہیزگار ہے۔ سرمایہ آغاز انسانیت کی تاریخ نے بتایا کہ سرمایہ دار اور مزدور کی
جنگ شروع سے جاری ہے اور ہر مقام پر مختلف زاویہ وپیرایہ سے اس حقیقت کبر
نخوت کو بے نقاب کیا کہ حقیقی عزت اور اصلی مفاخر دولت کی فراوانی۔ سرمایہ کی کثرت
میں نہیں ہے بلکہ دلوں کے تقویٰ اور اعمال کی صلاحیت میں ہے۔ چنانچہ سب سے
پہلے جب دو انسان اس میدان مسابقت میں نمودار ہوئے تو ان دونوں میں ا
ایک غریب شخص خدا سے ڈرنے والا (ہابیل) اور دوسرا امیر جو متکبر تھا (قابیل)
اللہ تعالےٰ نے اس غریب اور متقی کی قربانی کو شرف قبولیت بخشا اور اپنی جناب سے نوازا

معیوب رسم کا دنیا میں یوں آغاز کیا۔ اور اس امیر و متکبر پہ واضح کر دیا کہ دنیا میں خدا کے نزدیک ایک معیارِ فضیلت کیا ہے لیکن اس مغرور و سرکش انسان نے اپنی دولت و ثروت کے غرور میں اس غریب بھائی کو قتل کر دیا اور اس طرح سے دنیا میں سب سے پہلے قتل کا ارتکاب ہوا۔ سورۂ مائدہ رکوع ۵ میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

پھر مختلف ادوارِ تاریخ میں دنیا کے مختلف گوشوں اور نسل اقوام عالم میں حضرات انبیاء کرامؑ تشریف لاتے رہے تو ان سے بھی یہی کیفیت پیش آتی رہی حضرت نوحؑ نے جب حق و صداقت کی دعوت دی تو سرداران قوم نے سب سے پہلے یہی اعتراض کیا کہ تم ایک ادنیٰ سے غریب آدمی ہو تمہیں نبوت کا شرف دائمی کیسے حاصل ہو گیا۔ اور تمہارے متبعین بھی کوئی امیر و متمول نہیں ہیں۔ ہم تو تم کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں۔

"اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا اتباع انہی لوگوں نے کیا ہے جو بالکل رذیل ہیں۔ اور وہ اتباع بھی سرسری طور پر کر رہے ہیں۔ اور ہم تم لوگوں میں اپنے سے زیادہ کوئی چیز نہیں پاتے" پ ۱۲ ہود ۲۷

بنی اسرائیل پہ جب خدا نے طالوت کو بادشاہ مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے بھی ایسا ہی اعتراض کیا۔

قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ پ ۲ بقرہ ۲۴۷ | کہنے لگے کہ ان کو ہم پہ حکمرانی کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی

کہ انہوں کے نمرود کے تمرد کا باعث بھی یہی تھا اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ (البقرہ) کہ اللہ نے اُسے سلطنت عطا کر رکھی تھی۔ فرعون کی فرعونیت بھی اس وجہ سے تھی کہ ایک قوم کی قوم اُس کی غلام تھی جنہیں اس نے انا ربکم الاعلیٰ کہکر اپنا حلقہ بگوش بنا رکھا تھا۔ خود رسول اللہؐ کے وقت میں بھی سرداران قریش نے محض دولت و سطوت کے غرور میں حضورؐ کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی تھی ولید کے متعلق خود قرآن شاہد ہے۔

وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا اُس کو کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے مَهَّدْتُّ لَهُ تَمْهِيْدًا (۱۲-۱۴) بیٹے دیئے اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا۔ اسی نظائر کو جامع الفاظ میں دوسری جگہ بیان فرمایا کہ جب بھی کوئی ڈرانیوالا کسی بستی میں آیا تو وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا (۳۴) کہ ہم تم سے مال اور اولاد میں زیادہ ہیں"

پھر مختلف مثالوں سے ذہن انسانی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ مال و دولت کے ساتھ اگر تقویٰ و خدا ترسی نہ ہو۔ بلکہ وہ تکبر و نخوت تمرد و سرکشی کا منبع بن جائے تو ایسا متمول انسان بہت جلد ذلیل و خوار ہو جاتا ہے [illegible] کی مثال میں فرمایا۔

"اور جب اس کی برادری نے اس سے کہا کہ تو مال و دولت پر اترا مت واقعی اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھ کو خدا نے جو دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کرنا اور پھر دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھولنا [illegible] اور خلقت کے ساتھ تو بھی اسی طرح احسان کیا کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ [illegible]

احسان کیا ہے اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو۔ اللہ تعالےٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ قارون نے یہ سن کر کہا کہ مجھے تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنر مندی کی بدولت ملا ہے۔ (لیکن) اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالےٰ اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ جو قوت مال میں بھی اس سے بڑھے ہوئے تھے اور جماعت بھی اُن کے ساتھ زیادہ تھی ۔۔۔۔۔ پھر ہم نے قارون کو اور اس کی محلسرائے کو (اُس کی شرارت بڑھ جانے سے) زمین میں دھنسادیا۔ سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا لیتی اور نہ ہی وہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا۔" ~~۲۸~~ ۸۱ ان تاریخی شواہد کے علاوہ قرآن کریم نے اپنے لطیف تمثیلی پیرائے میں بھی اس راز کو افشاء کردیا کہ مال و دولت پہ اترانا محض حماقت ہے۔ ارشاد ہے۔

" آپ ان لوگوں سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے (ان دو شخصوں میں سے) ایک کو ہم نے دو باغ انگور کے دے رکھے تھے اور ان باغوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا۔ اور درمیان میں کھیتی بھی لگا رکھی تھی (یہ) دونوں باغ اپنا اپنا پھل پورا دیتے تھے۔ اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی اور ان دونوں کے درمیان نہر بھی چلا رکھی تھی۔ اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا سو ایک بار اپنے دوسرے ملاقاتی سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع بھی میرا زیادہ ہے۔ اور اپنے اوپر (جرم) ظلم (زیادتی) قائم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہنچا اور کہنے لگا کہ میرا تو خیال نہیں کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہو جاوے۔ اور اول تو

میرا خیال ہے کہ قیامت آئیگی ہی نہیں اور اگر میں خدا کے پاس پہنچ بھی گیا تو وہاں بھی مجھے بہت اچھی جگہ ملے گی۔ اس سے اس کے ساتھی نے جو غریب اور متقی تھا کہا تو کیا اس ذات کے ساتھ تو کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر تجھکو صحیح و سالم بنایا۔ لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا رب حقیقی ہے اور میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھیراتا۔ اور جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کی مشیت ہوتی ہے ویسے ہی ہوتا ہے۔ اور بدون اللہ کی مدد کے کسی میں کوئی قوت نہیں۔ اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو مجھکو وہ وقت قریب معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب تیرے باغ سے مجھکو اچھا باغ دے اور اس تیرے باغ پر کوئی آفت آسمانی بھیجدے جس سے تیرا باغ ایک چٹیل میدان بن کے رہ جاتے یا اسکا پانی ہی خشک ہو جاتے اور تو اسکے متعلق کچھ بھی نہ کر سکے (چنانچہ) اس شخص کے سامان تمول کو آفت نے آگھیرا اور اس نے جو کچھ باغ پر صرف کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اور باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا۔ اور کہنے لگا کیا ٹھیک ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ رہی جو خدا کے سوا اس کی مدد کر سکتی۔ اور نہ وہ خود ہی خدا سے کوئی بدلہ لے سکا۔ ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہے اور اسی کا دیا ہوا حصہ سب سے اچھا اور نتیجہ سب سے بہتر ہے (الکہف ع ۵۰۵ م ۳۲ تا ۴۴)

ان حقائق باہرہ سے واضح ہو گیا ہوگا کہ قرآن کریم نے فضیلت و فوقیت کا حقیقی معیار مال و دولت کو نہیں بلکہ اعمال صالحہ اور حسن نیت کو قرار دیا ہے اور دولت و حشمت سے جو غرور اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔ مختلف عنوانوں سے اس کی مذمت کی ہے۔

لیکن

باینہمہ دولت و ثروت کے اعتبار سے بنی نوع انسان میں مدارج کا اختلاف اس نے مقتضیات فطرت میں سے قرار دیا ہے اور کاروبار عالم کے چلانے کیلئے اس تفریق مدارج کا برقرار رکھنا وہ ضروری سمجھتا ہے۔ یہ اسلام اور اشتراکیت کا دوسرا بنیادی فرق ہے فرمایا

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ... لِلْمُتَّقِينَ

۴۳ ۳۵
۳۲ ۳۵

ان کی دنیاوی زندگی کی روزی ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت و فوقیت اسے رکھی ہے، تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ اور آپ کے رب کی رحمت تو اس دنیاوی مال و متاع سے بدرجہا بہتر ہے جسے یہ لوگ سمیٹے پھرتے ہیں، اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی جیسی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ کفر کرتے ہیں اُن کے لئے اُن کے لئے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے، اور نیز زینے بھی جن سے چڑھتے اترتے ہیں۔ اور گھروں کے کیواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، اور یہی چیزیں سونے کی بھی (لیکن) یہ سب ساز و سامان دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے۔ اور آخرت خدا سے ڈرنیوالوں کی ہے۔

چونکہ اختلاف مدارج فطری امر تھا، اور اس کا قائم رکھنا ضروری تھا اس لئے فرمادیا کہ اس تفریق کو دیکھکر باہمی حسد نہ کیا کرو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ

اور تم ایسے کسی امر کی تمنا نہ کرو جس میں

بِمَا فَضَّلَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؎ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے

لیکن یہ کہہ کر مایوس و مجہول نہیں کر دیا گیا کہ یہ تفریق مدارج پیدائشی ہے اور کسی پہلے جنم کے کرموں کا پھل مل رہا ہے۔ بلکہ فرمایا کہ یہ تخالف و تباین انسانوں کی کسب دولت کی قابلیت و استعداد کے اختلاف پر مبنی ہے۔ کوشش کرو کہ تم بھی ایسی استعداد پیدا کر سکو اور ہمارا ازلی قانون یاد رکھو کہ:-

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى انسان کو وہی کچھ ملیگا جس کی اس نے کوشش کی ہے۔ ۵۳ ؎

دولت کی مساویانہ تقسیم کو اس نے خلاف قانونِ فطرت قرار دیا ہے اور اسے کفرانِ نعمت بتایا ہے:-

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۔ ۱۶/۱۲

اللہ نے تم کو ایک دوسرے پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے۔ وہ اپنے مال کا حصہ اپنے غلاموں اور نوکروں کو اس طرح کبھی نہ دیں گے کہ مالک و مملوک سب آپس میں برابر ہو جائیں کیا اس طرح اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

اور یہ اختلاف مدارج انسانوں کے اعمال و مساعی کے مطابق ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اور ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق ہیں۔ ۲۳ ؎ ۱۹/۴۶

اب سوال یہ ہے کہ یہ اختلاف مدارج کیوں ہے، اس کی فطری ضرورت کیا ہے قرآن کریم نے اس کا جواب ایک ہی جامع ٹکڑے میں ارشاد فرمادیا کہ "اس سے نظام عالم کا سلسلہ قائم رہے اور تم ایک دوسرے سے کام لے سکو" (۴۳-۳۲) اب اس اجمال کی تفصیل خواہ کتنی ہی طول طویل کیوں نہ ہو۔ یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہے گی کہ اختلافِ مدارج کا ہونا دنیاوی کاروبار کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اقتصادی معاشرتی، سیاسی پہلوؤں سے اس موضوع پر کتابوں کی کتابیں لکھتے جایئے سب قرآن کریم کے اس ایک اصولی ارشاد کی تفاسیر ہونگی۔ انسان بمعنی الطبع واقع ہوا ہے۔ اس کی عمرانی زندگی کا تقاضا ہے کہ تقسیم عمل ہو۔ اور اعمال بہرحال کچھ ادنیٰ ہونگے کچھ اعلیٰ اس لئے ان کی تقسیم کے اعتبار سے بھی ایسے مدارج مختلفہ کا واقعہ ہونا ضروری ہو جاتا ہے گا اور کیوں جایئے۔ خود اپنے نفس سے اس کے متعلق دریافت کیجئے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ دوسرے یہ کہ انسان کے اندر خاص خاص جوہر ودیعت کر کے رکھ گئے ہیں۔ لیکن ان کے بروئے کار لانے کے لئے کسی جذبہ کی تحریک نہایت ضروری ہے۔ آپ کی قوت مدافعت کتنی ہی آہن شکن ہو لیکن اس کا مظاہرہ اسی وقت ہو سکیگا۔ جب آپکی غیرت وحمیت جوش میں آئیگی۔ یا دفع مضرت کی ضرورت لاحق ہوگی۔ آپ کی قوت استدلال کیسی ہی سحرکار ہو۔ لیکن اس کے جوہر اسی وقت کھلیں گے جبکہ خاموشی میں آپ اپنی خودداری پر ٹھیس لگتے دیکھیں گے وقس علی ہذا۔ تدابیر منازل، سیاست مدن اور حفظ نفس کے لئے انسانی دماغ میں مختلف جوہر اور متباین قوتیں موجود تھیں لیکن ان میں سے رفتہ رفتہ وہی کچھ اپنا مجاز میں جلوہ گر ہوئیں جن کے کار فرما ہونے کیلئے کوئی جذبہ محرک ہوا۔ اسی

ذہن انسانی میں کسب وہنر کے لئے بھی مختلف ملکات موجود ہیں، اور وہ اپنی اپنی انتہائی وسعتوں کے ساتھ اس صورت میں رونما ہوسکتے ہیں کہ اُن کیلئے کوئی نہ کوئی جذبہ کوئی نہ کوئی کشش موجود ہو۔ اب آپ غور سے دیکھیں تو سرشتِ انسانی میں ایک چیز آپ کو ہر جگہ مشترک ملیگی اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی محنت کے حاصل کا خود مالک و مختار رہنا چاہتا ہے کہ وہ اپنی مساعی کی پیداوار کو "میری" کہہ سکے، یہ ہیں "اور "میرا" ہی وہ "سم سم" ہے جس کے سامنے تمام مشقتیں آسان ہوجاتی ہیں؟ اور ہر مشکل کا طلسمی باب خود بخود کھل جاتا ہے۔

وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ہر بڑائی والے کو اسکی بڑائی دی جائے گی۔ (۱۱:۳)

کارگہ حیات میں جتنی بھاگ دوڑ جس قدر تگ و دو ہے سب اسی جذبہ کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ نبضِ حیات میں تموج ہے تو اسی کے دم سے۔ اور نظامِ عالم کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑ رہا ہے تو اسی کی حرارت سے۔ ذہنِ انسانی سے یہ جذبہ نکال لیجئے۔ اور دیکھئے کہ ہنگاموں اور شورشوں کی یہ پرشوکت دنیا راہبوں کی جھونپڑی اور سنیاسیوں کی کٹھیا بن کے رہ جائے گی اس میں شبہ نہیں کہ مال ودولت کی فراوانی انسان میں تکبر وغرور پیدا کر دیتی ہے جو اصل الاصول ہے انسانی استبداد و مظالم کا۔ لیکن اسلام کے نزدیک سردرد کا علاج سر کٹوا دینا نہیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ وہ انسانی اعمال کی افراط و تفریط کو ایک جادۂ اعتدال پر لاتا ہے جو عین مطابق فطرت ہوتا ہے۔ مال ودولت کا ناجائز استعمال اس کو معیارِ فضیلت قرار دینا۔ سرمایہ داری اور مزدوری کی کشمکش کا باعث

تھا۔ایک گروہ انسانی اس سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے ترک علایق ہی میں اس کا علاج سمجھا۔ دنیا کے کاروبار سے منہ موڑ کر جنگلوں کی طرف چل دیئے کہ وہاں نہ یہ تفریق و امتیاز ہوگا نہ کشمکش باقی رہے گی اور اسی طرح سے سکون و اطمینان امن اور شانتی کی زندگی میسر آجائے گی۔ لیکن اس سے نظام کائنات درہم و برہم ہوجاتا۔ اس لئے اسلام نے ایک طرف تو اس رہبانیت سے منع کیا اور جدوجہد حیات میں مساعی و اعمال، مسابقت و مقابلہ کو ہی اصل زندگی قرار دیا۔ لیکن دوسری طرف سرمایہ داری کے عواقب خبیثہ اور نتائج قبیحہ کے خلاف اعلانیہ جہاد کیا۔ کہ کہیں اس کو انسانی عزت و فضیلت کا معیار سمجھ کر غریبوں کو کچلنا شروع نہ کردیا جائے۔

فرمایا:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۲۱/۱۷	دیکھئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے لیکن آخرت بلحاظ مدارج اور باعتبار فضیلت بہت بڑی ہے۔

اس اختلاف مدارج کو اس نے وجہ ابتلاء بیان کیا ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ۔ ۶/۱۶۶	اور تم میں سے ایک کو دوسرے پر رفعت دی ہے تاکہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے۔ اس میں تمہاری آزمائش ہوسکے۔

دوسری جگہ ہے :-

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (المائدہ ع ۷ پ ۶)

اگر مشیت خداوندی ہوتی تو تمام انسانوں کو ایک ہی جماعت بنا دیا جاتا۔ (یہ اس لیے نہیں کیا کہ) جو کچھ تم کو دیا گیا ہے اس میں آزمائے جاسکو پس نیکی کرنے کے لیے مسابقت کرو

لیکن ایک شخص اپنی محنت و مساعی سے کچھ کماتا ہے۔ وہ اس کا جائز مالک و مختار قرار دیا جاتا ہے۔ اسے علم ہے کہ اب اس میں کسی اور کا کچھ حق نہیں ہے۔ لیکن اس اقتدار و ملکیت کے بعد اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ اپنی خوشی و رضا سے۔ کسی دنیاوی مقصد و غرض کے لیے نہیں۔ بظاہر کسی "اپنی" ضرورت کیلئے نہیں۔ بلکہ محض لمرضات اللہ اپنے ان حقوق کو دوسروں کے حوالے کر دے۔ دیکھئے اس میں کس قدر آزمائش ہے۔

پھر ایک شخص دولت و ثروت کے اعتبار سے واجب التکریم سمجھا جاتا ہے۔ ایک غریب و مفلس انسان اس کے پاس سے گذرتا ہے جو تقوے و پرہیزگاری میں اس سے افضل ہے۔ اب متمول انسان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس مفلس و نادار انسان کی عزت کرے کہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ

کس قدر بڑا ابتلا ہے اس میں اور یہی ابتلا و آزمائش تو ہے جو انسان کے

ارادہ و اختیار کی دنیا کی تخلیق کا باعث ہے اور عالم حیوانیت سے اس کا جو قدم آگے بڑھا ہے۔ وہ اس ارادہ و اختیار کی وجہ سے ہی تو ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ ٦٧

اللہ نے موت و حیات (انسانی) کو پیدا کیا تاکہ تم آزمائے جاؤ کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے

اور اگر اس کا ارادہ و اختیار اس سے چھین لیا جائے تو انسانیت کا شرف اس سے چھین لیا جائیگا مذہبی حیثیت سے نہیں سائنس کے نقطۂ خیال سے دیکھئے تو جمادات سے انسانیت تک جتنے ارتقائی منازل طے ہوتے ہیں ترقی اسی ارادہ و اختیار کے تدریجی اضافہ ہی کا نام ہے۔ تو گویا اشتراکیت کی جبری مساوات انسانی شرف و اختیار کی ترقی معکوس ہے۔ اور رجعت قہقری ہے۔ درست ہے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ہم نے انسان کو بہترین ہیئت کذائی میں بنایا پھر اسکو ادنیٰ درجہ کیطرف لوٹا دیا

اس کے اختیار و ارادہ پر پابندیاں صرف خدا کی عائد کی ہوئی اسکی فطرت کے مطابق ہو سکتی ہیں نہ کہ انسانوں کی اور خدا کی ہی پابندیاں ہیں جنہیں حدود اللہ کہا جاتا ہے

اسلام نے جو حقیقی مساوات قائم کی ہے اسکی درخشندہ مثالیں اسکے صدر اولیٰ میں ہر مقام پر نظر آتی ہیں جن کے پیش کرنے سے اشتراکیت باوصف اپنے مزعومہ مادی مساوات یکسر قاصر ہے۔ ایک حبشی غلام کو خود حضرت ابوبکر صدیقؓ زرِ فدیہ دیکر آزاد کرتے ہیں۔ اور اسی حبشی غلام کے شرف و اختیار کا یہ عالم کہ جب وہ دور سے آتا دکھائی دیتا ہے تو عمرؓ و ابوبکرؓ اٹھ کھڑے ہوجاتے ہیں کہ سیدنا بلال ہمارے آقا بلال آرہے ہیں

اور بنی ہاشم کے ممتاز ترین قبیلہ کے ممتاز ترین رکن۔ مولائے علیؓ فرماتے ہیں "بلال من اہل بیتی۔ (بلال میرے اہل بیت میں سے ہے) روم کا ایک ادنیٰ مزدور مدینہ میں آکر آزادی حاصل کرتا ہے اور حضرت عمرؓ اپنی آخری خواہش یہ فرماتے ہیں کہ "میرے جنازہ کی نماز صہیب رومی پڑھائیں" خود رسول اللہؐ اپنے غلام زید بن ثابتؓ کے ساتھ بنی ہاشم کے خاندان کی خاتون محترمہ اپنی پھوپھی زاد ہمشیر کا عقد فرما دیتے ہیں۔ اسی غلام کے بیٹے (اسامہ بن زیدؓ) کو اس لشکر جرار کا سپہ سالار مقرر کر دیا جاتا ہے جس میں ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ جیسے قصر اسلامی کے ارکین اعلیٰ بہ حیثیت سپاہی کے کام کرتے ہیں تاریخ کے انہیں اوراق میں ہمیں یہ تصویر بھی ملتی ہے کہ خلیفۃ المسلمین جناب عمرؓ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہے ہیں اور آپ کا غلام اونٹ پہ سوار ہے۔ وہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نو مسلم نصرانی شاہزادے کی چادر پہ طواف کعبہ کے دوران میں ایک غریب بدو کا پاؤں آ جاتا ہے۔ شاہزادہ اپنی دنیاوی وجاہت کے گھمنڈ میں اس کے منہ پر تھپڑ مارتا ہے۔ بدو اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیتا ہے۔ شاہزادہ دربار خلافت میں آکر شکایت کرتا ہے کہ ادنیٰ بدو کو یہ جرأت ہو گئی کہ اس نے ایک عالی وقار امیر کے طمانچے کا جواب طمانچے سے دیدیا حکم ملتا ہے کہ شاہزادے نے چونکہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا اس لئے اپنے کئے کی سزا پائی۔ وہ اس مساوات کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور کہتا ہے کہ کچھ بھی ہو ایک شاہزادہ اور ایک مزدور کس طرح آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ اسلام کی ترازو میں تو یہ

دونوں برابر ہی ہوتے ہیں تو وہ اپنی دولت کے نشہ میں پھر سے جا کر عیسائی
ہو جاتا ہے۔ خلیفۃ المسلمین نے اسے برداشت کر لیا لیکن اس کی اجازت نہیں دی
کہ مساوات اسلامی کے بنیادی اصول پر کسی قسم کا حرف آ جائے یہی
وہ مساوات کی تسلیم تھی جو آغاز میں سرداران قریش کی نگاہوں میں کھٹکتی تھی جس
کی وجہ سے وہ اسلام کے اس قدر دشمن بن رہے تھے اس لئے کہ اس
کے رو سے ان کے تمام مدارج و مراتب ان سے چھن جاتے تھے۔ ابوجہل
اس لئے کائنات سے اپیل کرتا ہے کہ محمد سے بدلے کیونکہ۔

مذہب او قاطع حسب و نسب — قدر احرار عرب نشناختہ
از قریش و منکر از فضل عرب — با کلفتان حبش در ساختہ
در نگاہ او یکے بالا و پست — احمراں با اسوداں آمیختند
با غلام خویش بر یک خوان نشست — آبروئے دودمانے ریختند

(از اقبال مدظلہ)

ان دو دنیا کو چھوڑنے سے وہ تو انسانیت کے معراج کبریٰ کا ایک عکس
تھا جو دنیا نے پہلی مرتبہ اس سرزمین پر دیکھا اور لے کاش! پھر کبھی دیکھنے میں
آ جاتے، اسلام کے دور شہنشاہیت میں بھی اس مساوات کی ایسی مثالیں
ملتی ہیں کہ بڑے بڑے مفکرین انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ شاہزادہ مراد
[illegible] بادشاہزادہ تھا معمار نے مسجد بنائی۔ شاہزادہ نے کچھ
[illegible] جوش [illegible] معمار کا ہاتھ کٹوا [illegible]
سے انصاف چاہا [illegible] کھڑا [illegible] اقرار جرم لیا

قاضی نے فیصلہ سنا دیا کہ جس طرح معمار کے ہاتھ کاٹے گئے ہیں شاہزادے کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں

عبدِ مومن کمتر از احرار نیست — خونِ شہ رنگیں‌تر از معمار نیست
پیشِ قرآں بندہ و مولا یکیست — بوریا و مسندِ دیبا یکیست (اقبال)

شاہزادے نے یہ فیصلہ سنا تو ... خاموشی نہ رہی اور اس ... نے کہا ... نے حضرت کا قصور معاف کیا۔ آج اس گئے گزرے زمانے میں مسلمانوں کے اسلام سے انتہائی بعد کے باوجود اس مساوات کا نظارہ کسی مسجد میں جماعت کے وقت جا کر دیکھنے سے نظر آ جائے گا کہ

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہ مثال بھی آپ کو صرف اسلام کی تاریخ میں ہی ملے گی کہ ہندوستان میں "غلاموں کا خاندان" اور مصر میں "مملوک" (غلام) صدیوں تک حکومت کرتے رہے ہیں۔ غلام ہو کر آقا اور مملوک ہو کر مالک بن جانا محض اسلام کے طفیل تھا۔

ہاں تو اسلام کے مساوات میں مالی مساوات نہیں بلکہ قلبی مساوات ہے۔ مال کے اعتبار سے خود دورِ صحابہ رضؓ میں فرقِ مدارج اور اختلافِ مراتب موجود تھا۔ لیکن عزت و تکریم کے اعتبار سے ان مدارج کا معیار کچھ اور ہی ہو جاتا تھا۔ انہی میں حضرت زبیر بن عوام رضؓ تھے جن کے کاروبار میں ایک ہزار مزدور روزانہ کام کیا کرتے تھے۔ انہی میں حضرت طلحہ رضؓ تھے جن کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔ انہی میں حضرت عبدالرحمن بن عوف تھے جن کی تجارتی ترقی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ان کا قافلہ مدینہ میں آیا تو اس میں سات سو اونٹوں پر صرف اشیائے خوردنی لدی ہوئی تھیں اور یہی قافلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی ایک حدیث بیان کرنے پر انہوں نے راہ خدا میں صرف کر دیا لیکن مسلمانوں میں
ان ہستیوں کا نام جو آج تک سلام وصلوٰۃ کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ وہ ان
کی دولت وثروت کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ حسن ایمان و تقویٰ وہ اعمال
صالحہ وہ ایثار و قربانی تھی جسے آنے والی نسلوں کے لئے انہوں نے
نمونے کے طور پر یادگار چھوڑا۔ اسلئے کہ انہی متمول صحابہ کبار کے ساتھ ساتھ
اصحاب صفہ جیسے مفلوک الحال حضرات کا نام بھی آج تک مسلمانوں کے لئے
باعث افزائش ایمان وعمل ہے۔

اسلام نے حق حاصل کرکے اسے خزائن ودفائن کی شکل میں زمین دوز کر دینے
سے سخت منع کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ تَكْنِزُوْنَ ط (۹-۳۴-۵)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے جس روز انھیں دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں کروٹوں پشتوں کو
داغ دیا جائے گا یہ وہ ہے جسکو تم نے اپنے واسطے جمع کرکے رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

لیکن مال ودولت کے انتقال کی صورت وہ باہمی رضامندی کو قرار دیتا ہے جو کہ
صدقہ وخیرات کی شکل میں ہو یا پھر معاوضہ بالمثل یعنی بیع واشتراکی صورت میں۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۴/۲۹

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو باہمی رضامندی ہو تو کوئی مضایقہ نہیں۔

لیکن بیع و استقراض ہو یا لین دین کا معاملہ کسی جگہ بھی محتاجوں کے ساتھ احسان اور مروت کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ ربوٰ تو اسلام میں قطعاً حرام ہے اور اسے قرآن نے ظلم قرار دیا ہے لیکن قرضہ کی صورت میں بھی فرمایا۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	اگر مقروض تنگدست ہو تو اسکی آسودگی تک اسے مہلت دیدو اور اگر معاف ہی کردو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم اسے سمجھ سکو۔

(۲۸۰ : ۲)

یہاں ایک اور نکتہ بھی قابل اعتنا ہے۔ اشتراکیت کے حامی سرمایہ داری کے خلاف یہ الزام عاید کرتے ہیں کہ اس میں مزدور کو اسکی محنت کا پورا پورا معاوضہ نہیں ملتا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خود اشتراکیت میں مزدور اور اس کی محنت کے معاوضہ کی کیا کیفیت ہے۔ نظام اشتراکیت کے ماتحت یہ فیصلہ حکومت کرتی ہے کہ ایک مزدور کس قدر کام کرے (اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملے گی) یہ پہلی زبردستی ہے جو کسی مزدور پر عاید کی جا سکتی ہے۔ پھر اس مزدور کی محنتوں کا حاصل حکومت کی ملکیت ہوتا ہے یہ دوسری زبردستی ہے۔ اس مزدور کی ضروریات کا تعین بھی حکومت کرتی ہے جس کے مطابق اسے زر کفاف ملتا ہے۔ یہ تیسرا مقام ہے جہاں اسکی آزادی سلب کی گئی ہے۔ اب مثلاً ایک مزدور سے حکومت اس قدر کام لیتی ہے جس کا معاوضہ قاعدے کے مطابق چار روپے روزانہ ہے۔ لیکن اس مزدور کی ضروریات کا تعین کرکے اسکی کفالت کے لئے ایک روپیہ روز کافی سمجھا جاتا ہے۔ باقی تین روپے روزانہ حکومت کے پاس

جاتے ہیں۔

فرمایئے سرمایہ دارا اور اشتراکی نظام میں جہاں تک مزدور کے معاوضہ کا تعلق ہے کیا فرق ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشتراکی نظام کے ماتحت حکومت اپنی مزدوروں کی اصلاح و بہبودی پر بقایا تین روپے صرف کردیتی ہے اور سرمایہ دار اسے اپنے مصرف میں لاتا ہے۔ لیکن یہ تو صرف خرچ کی نوعیت کا فرق ہے۔ جہاں تک مزدور کا تعلق ہے دونوں اس کی محنت کے غاصب ہیں۔ البتہ اگر مزدور اپنی خوشی سے اپنی محنت کا بقایا معاوضہ کسی کے نام منتقل کرے، تو وہ اور بات ہے کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اس کی محنت کا ماحصل اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرلے۔ قرآن کریم اس قسم کے معاملہ کو غصب و ظلم قرار دیتا ہے چنانچہ معاوضہ بالمثل کے اس زرین اصول کو کس قدر عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۸۳-۴	ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا لیں اور جب انکو ناپ کردیں تو کم دیں۔

اس ناپ تول کے اصول میں معاوضہ بالمثل کی تمام فروعات شامل ہیں اور خسران مبین ان لوگوں کے لئے ہے جو دوسرے سے محنت تو پوری پوری لیں۔ لیکن اس کا معاوضہ اس کے مقابلہ میں کم دیں۔ قرآن کے نزدیک محنت کرنے والا اپنے پورے پورے معاوضہ کا حقدار ہوتا ہے۔ جو اسے فوراً مل جانا چاہیے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "مزدور کو اس کی پوری پوری مزدوری دیدو قبل اس

کے کہ اس کا پسینہ خشک ہو۔

باقی رہا ضروریات کا تعین سو اس کے لئے اسلام نے حدود و شرائط مقرر کر کے کہ جن سے اسراف و تبذیر کا امکان نہ رہے۔ انسان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنے محاصل کے ماتحت اپنی ضروریات خود متعین کرے چنانچہ وہ غلامی اور آزادی میں فرق ہی یہی بیان کرتا ہے کہ آزاد اپنی ضروریات کا تعین خود کر سکتا ہے اور غلام کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ۔ ۱۴/۷۵

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ فرض کرو کہ ایک تو غلام ہے پرائے بس میں وہ کسی پر اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا شخص ہے جسے ہم نے خوب روزی دے رکھی ہے اور وہ اسمیں سے پوشیدہ اور علانیہ (جسطرح جی چاہے خرچ کرتا ہے) کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔

لہذا ایک مسلم کی آزادی کو جو اسے اپنی ملک میں حاصل ہے کوئی اور خرید نہیں سکتا اور ویسے بھی ایک مسلم کا تو مال و جان پہلے ہی خدا کے ہاتھوں بک چکا ہوتا ہے۔ اب کونسی طاقت ہے جو خدا کی خرید کردہ جنس کو زبردستی خریدا کرنا چاہے اور وہ بھی ایسے لوگ جو خدا کی ہستی کے بھی قائل نہ ہوں فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ ۹/۱۱

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے انکی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ انکو جنت دیجائے گی۔

یہاں ممکن ہے کہ یہ سوال کر دیا جائے کہ جب اسلام میں بھی ایک مسلم کے جان

ومال کو خدا نے خرید لیا ہے جس کے یہی معنے ہیں کہ حق وصداقت کی حمایت اور حفاظت میں اگر ضرورت آپڑے تو عبد مومن بلا تامل اپنی جان ومال کو قربانی کے لئے پیش کر دے۔ تو اگر یہی مال حکومت بے دلیل مفاد عامہ میں صرف کر دے تو ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟ سو گذارش ہے کہ اول تو حق بندہ اور بندے کی بیع و اشتراک کسی جور و اکراہ پر مبنی نہیں اور اشتراکیت کی بیع اگر اسے بیع کہا جائے سراسر زبردستی پر مبنی ہے۔ دوسرے کہ خدا کا بندہ اگر خدا کی راہ میں کچھ دیتا ہے اسے اس کے بدلے میں کچھ ملتا بھی ہے۔ نہ بالمثل ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے انفاق فی سبیل اللہ کے لئے لفظ قرضہ استعمال کیا ہے۔

إِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعِفْهُ لَكُمْ ۔ ۶۴/آخر	اگر تم لوگ اللہ کو اچھی طرح (خلوص سے) قرضہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لئے بڑھاتا جائے گا۔

نیز یہ بھی کہ ایک مسلم اپنے معاملات کا فیصلہ اسی دنیا میں نہیں کر لیتا بلکہ اس کا ایمان ہے اور غیر متزلزل ایمان ہے کہ اسی عارضی زندگی کے بعد ایک اخروی زندگی آنے والی ہے جو فی الحقیقت دار المکافات ہے اور اگرچہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ جن کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً اعمال صالحہ کا نتیجہ عزت و وقار کی حیات طیبہ اور اعمال بد کی وجہ سے ذلت و رسوائی کی لعنتی زندگی مگر حیات اخروی کے مقابلہ میں یہ معاوضے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ فرمایا

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۔ ۱۶/۳۰	جن لوگوں نے نیک اعمال کئے ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت تو کہیں بہتر

مگر حیاتِ اخروی کے متاع ہیں یہ معاوضے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب — موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

لہٰذا ظاہر ہے کہ اس دنیا میں اس غریب مزدور کو اپنی محنت کا ثمرہ ملتا نہیں اور اس کے بعد وہ کسی زندگی کا قائل نہیں۔ اس لیے اس سودے میں "مرنا" دینا ہی دینا ہے۔ معاوضہ کچھ نہیں۔ اگر اشتراکیت میں رضا اور رغبت کو مقدم رکھا جاتا۔ ہر شخص اپنی محنت کی پیداوار کا آپ مالک ہوتا۔ پھر اسے حیات بعد الموت، آخرت پر ایمان ہوتا تو ان حالات میں اس کا اتفاق عین اسلامی اتفاق تھا ورنہ ان حالات میں تو خسرۃ الدنیا والآخرہ اور خالص غلامی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا ہو گا کہ معاشی نظام کی طرح اشتراکیت کے اس معاشرتی نظام کو بھی جس کی رو سے مالی مساوات قائم ہو جاتی ہے۔ اسلام کے قانون مساوات سے کچھ تعلق نہیں، بلکہ وہ قرآن کی نصوص صریحہ اور واضح اور بین تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا جو شخص اس کی ظاہر فریبیوں سے متاثر ہو کر اسے "عین اسلام" کے غلط نام سے پیش کرے یا خوش ہو کہ روس اسلام کے قریب آتا جا رہا ہے۔ اس کا دعوےٰ باطل ہے۔ حق نہیں۔ ضلالت ہے۔ ہدایت نہیں سراب ہے حقیقت نہیں۔ اصل یہ ہے کہ بالعموم مسلمان چونکہ اپنی اصلی تعلیم سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ اور ان کے اعمال کو بھی قرآن سے بھی کوئی نسبت نہیں رہی۔ جب انہوں نے

اشتراکیت میں مساوات کا لفظ سنا تو چونکہ دنیا عدم مساوات سے گھبرا چکی تھی اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ اضطراب و آلام کا یہی علاج ہے اور اسے عین اسلامی تعلیم قرار دیدیا۔ حالانکہ دونوں مساوات کے تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ حقیقی مساوات جسکی دنیا کو تلاش ہے اسلامی مساوات ہی ہے اور اشتراکیت کی مساوات قرآنی تعلیم کے بالکل برعکس ہے۔

حضرت ابوذر رضؓ سے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اغنیاء کی دولت کو غرباء کا حق سمجھتے تھے۔ گویا اشتراکیت کی ایک جھلک اس خیال میں پائی جاتی تھی حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ثالث کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو فوراً ایک بیابان مقام ربذہ میں بھیجدیا کہ تنہائی کی زندگی بسر کریں چنانچہ انہوں نے وہیں وفات پائی۔

نظام عائلی

ازدواجی زندگی

عائلی نظام کے متعلق معاشرتی اور معاشی نظام کے تحت ضمناً بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اس باب میں اس نظام کے ایک مخصوص اور اہم پہلو یعنی ازدواجی نظام کے متعلق نمایاں تصریحات کی ضرورت ہے۔ اشتراکیت میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مرد و عورت کے جنسی اختلاط کے متعلق کوئی حدود و قیود مقرر نہیں۔ نہ وہاں نکاح کی ضرورت ہے نہ طلاق کی حاجت۔ نہ حلال و حرام میں کچھ امتیاز ہے نہ جائز و ناجائز میں کچھ فرق۔ لیکن اسلامی تمدن اور شرعی نظام میں ازدواجی تعلقات کے ضبط و انضباط کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دنیا نے عورت کے معاملے میں بھی افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ ایک گروہ نے عورت کو محض جذبات شہوانیہ کی کامرانی کا آلہ کار سمجھ رکھا تھا، چنانچہ یونان کی یہودیت

میں عورت کا تخیل کچھ ایسا ہی تھا، اور ادھر ایران میں مزدک کے فلسفہ اشتراکیت نے تو اس معاملہ کو بالکل صاف کر دیا۔ اس تحریک کی رو سے عورت سوسائٹی کی مشترکہ ملکیت سمجھی جاتی تھی اور قیود نکاح گویا خلاف فطرت۔ ظہور اسلام سے پیشتر عرب میں بھی عام سوسائٹی کا قریب قریب وہی نقشہ تھا جو آج روس کی اشتراکیت میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جاہلیت عرب میں مردوں کی ایک جماعت عورت سے اختلاط عمل میں لاتی اور بچہ کی ولادت ہوتی تو جس مرد کی صورت کا بچہ پیدا ہوتا اس مرد کی طرف لے منسوب کر دیا جاتا۔ لئے نکاح بغایا کہتے تھے۔ اسی طرح دس سے کم مرد بیک وقت ایک عورت سے جنسی تعلقات پیدا کرتے اور بچہ کی ولادت پر عورت جس کی طرف چاہتی بچہ کی نسبت کر دیتی اسے نکاح جمع کہتے تھے (اشتراکیت نے اس میں اتنی اصلاح و ترمیم ضرور کی ہے کہ ایسی صورت میں تمام مردوں پر بچے کی کفالت مساویانہ عاید کر دی جاتی ہے) اسی طرح ایک اور شکل بھی تھی، جسے متاع کہتے تھے جس کی رو سے مرد و عورت باہمی اختلاط کا معاہدہ کر لیتے تھے اور سوائے اجور معینہ کے مرد پر اور کوئی ذمہ داری عاید نہ چنانچہ ان حالات کی وجہ سے وہاں بہت جلد نکاح منعقد بھی ہو جاتا اور اتنی ہی جلد ٹوٹ بھی جاتا۔ (Acros the world of Islam)

بعینہٖ یہی شکلیں آج اشتراکیت کی سوسائٹی میں رائج ہیں۔

ان معاہدوں کے علاوہ فحش کاری کی رنگین داستانیں اتنی عام تھیں کہ شعرائے عرب اپنے ان کارناموں کو فخریہ اشعار میں بیان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امرء القیس جو اس وقت کا گویا ملک الشعراء تھا۔ ایک جگہ فخریہ لکھتا ہے۔

فمثلک حبلی طرقت و مرضع ۔ میں نے محبوب سے کہا کہ بہت سی تجھ جیسی

فاستما عن ذی تمائم محول ؛ مسلمین حاملہ اور بچہ والی عورتیں ہیں جنکے پاس میں رات کو جاتا ہوں تو لذت وصال میں اپنے بچوں کو بھول جاتی ہیں۔

شعرائے جاہلیت کے دیوان اٹھا کر دیکھئے۔ ایسے اشعار بکثرت آپ کو ملیں گے کہ اسوقت کی سوسائٹی میں یہ باتیں معیوب ہی نہ تھیں۔

اسلام نے اس بہیمانہ فواحش کو منجملہ دیگر خبائث ظھر الفساد فی البر والبحر (خشکی اور تری میں فساد ہی فساد برپا ہو رہا تھا) سے تعبیر کیا ہے۔ اور چونکہ سوسائٹی کی اصلاح و بقا کے لئے سب سے سوسائٹی کے تعلقات کا نظم وضبط نہایت ضروری ہے۔ اس لئے ان تعلقات کے متعلق نہایت واضح اور تاکیدی احکام صادر فرمائے۔ سب سے پہلے اس نے مرد و عورت کے اختلاط جنسی کا صرف ایک طریقہ جائز قرار دیا جسے نکاح کہتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ اور تمام انسانیت کش فحش کاریاں اور اخلاق سوز کامرانیاں حرام اور ناجائز قرار دی ہیں۔ فرمایا :۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النساء ۴ : ۳ — عورتوں سے جو تمہیں پسند ہو نکاح کر لو۔ (بجز محرمات کے)

اور دوسری جگہ آیا ہے :۔

وَانْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ۲۴ — اور جو تم میں بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔

اور زنا سے سخت منع فرمایا :۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيْلًا ۔ ۱۷ — اور زنا کے پاس تک بھی نہ پھٹکو۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ۔

خواہ یہ علانیہ بدکاری ہو یا خفیہ آشنائی۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (۵:۵) | [illegible] طریقے [illegible] کہ علانیہ بدکاری کرو یا خفیہ آشنائی [illegible]

دوسری جگہ آیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ (۷:۳۳) | کہہ دیجئے کہ میرے رب نے [illegible] تمام فحش باتوں کو۔ انہیں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات۔

پھر اس نکاح کی غرض و غایت بھی محض جذبات شہوانیہ کا فرو کرنا ہی قرار نہیں دیا بلکہ اس سے مقصود بقائے نسل انسانی۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (۴۲:۱۱) | اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے جن کے ذریعہ سے تمہاری نسل کو پھیلاتا ہے

اور (۲) خانگی زندگی کے لئے سکون و راحت ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (۳۰:۲۱) | اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ ان کے ذریعہ سے تمہیں آرام و سکون ملے اور تم میں باہمی محبت اور جذبہ رأفت پیدا کیا۔

پھر اس نکاح کو قرآن کریم نے میاں اور بیوی (مرد و عورت) کا ایک معاہدہ قرار دیا ہے نہ کہ عمر قید کے بندھن قابل انفکاک کہ جو تمدنات انسانی کی طرح اٹل اور حتم ایک کی طرح ممنت ہوں فرمایا:-

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ ۴ : ۲۱

اور تم ان عورتوں کا مہر کیسے لے سکتے ہو جبکہ تم ان سے بے حجابانہ مل چکے ہو۔

اس بنا پر نیز طلاق و خلع کے مسائل کی رو سے روبینس (A crast the world of Islam) نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے کہ اسلامی نکاح ایک معاہدہ ہے Sacrament نہیں پھر اس معاہدہ کی شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کی رو سے مرد کے ذمہ مہر واجب ہوتا ہے

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ ۴ : ۴

تم اپنی بیویوں کے مہر خوشدلی سے ادا کر دیا کرو۔

اور علاوہ مہر کے عورت کی ضروریات کا کفیل اور اسکے بوجہ صنف نازک ہونے کے ہر مقام پر اس کا محافظ ہوتا ہے کہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ ۴ : ۳۴

مرد عورتوں کے محافظ ہیں بوجہ اسکے کہ اللہ نے ایک جنس کو دوسری پر مختلف چیزوں میں فضیلت دی ہے اور اس سبب سے بھی کہ مرد مال بھی اپنا خرچ کرتے ہیں۔

اسکے معاوضہ میں عورت کی طرف سے علاوہ اس سکون و راحت کی زندگی مہیا کرنے کے جسکا ذکر پہلے آچکا ہے مرد کی عزت و آبرو کا تحفظ ضروری ہوتا ہے خواہ حاضر ہو خواہ غائب۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ (۴ : ۳۴)

نیک بخت عورتیں اطاعت شعار ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں اس چیز کی حفاظت کرتی ہیں جسکی حفاظت کا اللہ

٧ ٨٣٨١

نے حکم دیا ہے۔

پھر اس نکاح کے معاہدہ میں کوئی کسی قسم کا جبر واکراہ نہیں اور نکاح عورت کی رضامندی کے خلاف جائز ہی نہیں، اس لئے کہ وہ معاہدہ ہی کیا جس میں جبر ہو۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا - (۴:۱۹)	اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔

بلکہ جو نکاح (معاہدہ) سن بلوغت سے پیشتر کسی (Guardian) کی وساطت سے طے پایا ہو عورت اپنی بلوغت کے بعد اسے فسخ کر سکتی ہے۔

پھر اس معاہدہ کے دوران میں بیوی سے حسن سلوک اور معاشرت حسنہ کی تاکید فرما دی۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ | اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کیساتھ گذران کیا کرو۔

اور اس سارے معاملے میں۔ اس تمام عہد و معاہدے میں عورت کو بھی وہی حقوق دیے جو مرد کو دیے گئے تھے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲:۲۲۸)	اور عورتوں کے واسطے بھی ایسے ہی حقوق ہیں جیسے ان عورتوں کے ذمے ہیں۔

پھر اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مرد و عورت میں کشیدگی پیدا ہو جائے۔ باہمی کشمکش ہونے لگ جائے۔ اختلاف مزاج یا دیگر حالات کے ماتحت وہ سکون و راحت مفقود ہو جائے جو اصل غرض تھی۔ اس عقد و معاہدہ کی خانگی زندگی بجائے سرور و طمانیت

کی جہنت کے اضطراب و عدم اعتماد کی جہنم بن جائے تو اسکی اصلاح کے لئے احکام نافذ فرمائے گئے۔ مختلف تدابیر سے معاملات سلجھانے کی تاکید کی گئی۔ ثالثوں کے ذریعہ سے شکوہ و شکایات رفع کرنے کے مواقع بہم پہنچائے گئے۔ لیکن ان تمام تدابیر و مساعی کے بعد بھی اگر گتھی نہ سلجھ سکے اختلافات ایسے ہی گہرے پیدا ہو جائیں کہ گاڑی چلتی ہی نظر نہ آئے۔ واقعات کی صورتیں ایسی ہی لاینحل شکل اختیار کر جائیں۔ بالکل چاروں طرف سے اصلاح کی امکانی صورتیں مفقود ہو جائیں نہ دوا اس آئے نہ دعا ہی کارگر ہو گویا ایک ناممکن العبور خلیج حائل ہو جائے تو ایسی صورت میں اس معاہدہ کو فسخ کر دینے کی اجازت دی گئی لیکن وہ ایسی قیود اور شرائط کے ساتھ کہ جنہیں انفراق و انقطاع کے بعد بھی تو سے فی صدی اتصال و ائتلاف کا امکان باقی رہے اور جب آب از سر گزشت کی نوبت پہنچ جائے تو اس کا مکمل انقطاع بھی ایسی صورت میں کہ ایک دوسرے کے حقوق کوئی غصب کر کے نہ بیٹھ جائے۔ سورہ بقرہ، سورہ نساء اور سورہ طلاق میں اس کے تفصیلی احکام پڑھئے اور غور فرمایئے کہ اسلام نے عائلی زندگی کو جہنم بننے سے بچانے کے لئے کیسے کیسے حکیمانہ اصول بیان فرمائے ہیں پھر اس معاہدے کے فسخ کرنے کے لئے جیسا حق مرد کو دیا ویسا ہی عورت کو دیا اور جیسے مرد کے لئے ادائے گی مہر کا فدیہ مقرر کیا اسی طرح سے عورت کو بھی کچھ قربانی کر کے تھوڑا فدیہ ادا کر کے طلاق حاصل کرنے کی اجازت دیدی۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ (۲ : ۲۲۹) | اس مال کے لینے دینے پہ عورت مرد کسی پر گناہ نہ ہوگا جسے ادا کر کے عورت آزادی حاصل کرنا چاہے۔

پھر طلاق حاصل کرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے سے مرد و عورت کسی کو منع نہیں کیا۔ البتہ عورت کے لئے چند ماہ کا عرصہ بطور انتظار و توقف کے مقرر کر دیا جسے عدت کہتے ہیں تاکہ ممکن ہے کہ اس تجربے کی زندگی کے سبق سے اصلاح کا مادہ پیدا ہو جائے نیز اسلئے کہ اگر وہ حاملہ ہو تو نتیجہ حمل کے بعد دوسری جگہ نکاح کرے۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۸)

ازدواجی زندگی کے اس معاہدہ کی تمام قیود و شرائط کو اللہ تعالےٰ نے حدود اللہ (النساء رکوع ۲) یعنی قوانین الٰہی فرمایا ہے۔ جنکی پابندی قرآن کو کتاب اللہ ماننے والے کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اور جن تعلقات میں ان حدود اللہ کی نگہداشت پیش نظر نہیں رکھی جاتی وہ اسلام کے نقطۂ نظر سے قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔

اشتراکیت میں آپ نے پہلے دیکھ لیا ہے کہ نکاح کی کوئی پابندی نہیں۔ محرمات[1] کی کوئی قید نہیں۔ طلاق کے لئے کوئی حدود و شرائط نہیں۔ عدت کا وہاں وجود ہی نہیں۔ زنا سے پرہیز ہی نہیں۔ فواحش سے احتراز نہیں تو فرمائیے اسلام اور اشتراکیت کے ازدواجی نظام میں کیا شے مشترک کیا ہے؟ ممکن ہے کہ ہمارے تجدد پسند طبقہ سے یہ آواز اٹھے کہ جب مرد و عورت دونوں بالغ ہوں اور باہمی رضامندی سے جنسی اختلاط پیدا کرلیں تو اسے بہرحال ایک معاہدہ ہی سمجھنا چاہیے۔ لہذا اشتراکیت کی اس شق کو حرام

---

[1] قرآن کی رو سے وہ عورتیں جنسے نکاح حرام ہے، ان کی تفصیل سورۂ النساء اخیر پارہ ۴ ملاحظہ فرمائیے۔ منہ

کیوں قرار دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ مذہب کو چھوڑ کر اگر دنیاوی قوانین سماجی قواعد پر بھی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ مرد و عورت کی باہمی رضامندی جبتک قانونی قول واقرار کی شکل اختیار نہ کرے۔ قانون کی نگاہ میں یہ معاہدہ واجب التسلیم نہیں ہوتا۔ اور تو اور خود روس کی موجودہ طرز حکومت جو اشتراکیت کی ہی ایک معتدل شکل ہے۔ اسمیں بھی اگرچہ رجسٹری اور غیر رجسٹری شدہ شادیوں کے بچوں میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن خود قانون کی نگاہ میں باہمی اختلاط کو مستند قرار دینے کے لئے اس اقرار و معاہدہ کی رجسٹری ضروری ہے۔ لہٰذا اگر خدا کے قانون نے کسی ایسی رجسٹری کو ضروری قرار دیدیا ہو تو قابل اعتراض کیوں ہو۔ اب آیئے دیکھیں کہ بحیثیت مسلمان ہمیں اس بارے میں قرآن کیا حکم دیتا ہے۔ اصول موضوعہ واضح ہے۔ یعنی بالغ مرد و عورت کا جنسی اختلاط بلا نکاح (جسے معاہدے کی شرعی رجسٹری کہنا چاہئے) قرآن کی نگاہ میں کیا ہے فرمایا۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا	زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ	میں سے ہر ایک کے سو سو دُرّے لگاؤ۔
جَلْدَةٍ ۲۴	

گویا زنا ایک شرعی جرم ہے جس سے حد شرعی لازم آتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس حکم میں زانیہ کو بھی سزا دینے کا حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسمیں زنا بالجبر نہیں بلکہ مرد و عورت کی باہمی رضامندی سے اختلاط واقع ہوا ہے کیونکہ بالجبر کی صورت میں فریقہ قابل مواخذہ نہیں ہو سکتی۔ اسمیں اس کی رضامندی ضروری ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ رسول اکرمؐ سے فرمایا گیا ہے کہ جب عورتیں اسلام لانے کیلئے آیا کریں

تو ان سے (منجملہ دیگر امور ایک یہ بھی اقرار لیا کرو) وَلَا یَزْنِیْنَ (کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ پ ۲۸) اسلئے کہ ایام جاہلیت میں بدکاری عام تھی۔ ان کو اس سے روکنا ضروری تھا۔ اب ان ہر دو احکام میں بالغ مرد و عورت کی باہمی رضامندی سے مباشرت کا نام زنا رکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نکاح کے ایک رجسٹرڈ معاہدے اور اس رضامندی میں کتنا فرق ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدُّفُّ فِی النِّکَاحِ

حرام و حلال میں فرق کرنے کیلئے جو نکاح کرو تو اسے آواز اور دف کے ذریعہ سے مشتہر کرو۔ (مشکوٰۃ جلد ثانی صـ۲۷۲)

اور قرآن و سنت کی روشنی میں جو اسلامی قوانین وضع کئے گئے ہیں اُن میں نکاح کی تعریف یہ ہے کہ

فَالْعَقْدُ ھُوَ رَبْطُ اَجْزَاءِ التَّصَرُّفِ اَیِ الْاِیْجَابِ وَالْقَبُوْلِ شَرْعًا (شرح وقایہ)

عقد دراصل ایجاب و قبول کے شرعی طریقہ سے مربوط ہونے کا نام ہے۔

یعنی اس رضامندی (ایجاب و قبول) کا شرعی طریقہ ہونا چاہیئے۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ خدا اور رسول نے جو حدود و شرائع۔ جو حقوق و فرائض متعاقدین کیلئے مقرر فرمائے ہیں۔ شرعی ایجاب و قبول میں ان سب کو اپنے اوپر لازم کر لیا جاتا ہے اور اس معاہدہ کی شرائط و قیود تمام و کمال وہ ہوتی ہیں جو انسانی سوسائٹی کی بقا و فلاح کے لئے خدا و رسول نے متعین فرمائی ہیں اور ان کی بجا آوری شرعی قانون کی رو سے فرض ہو جاتی ہے لہٰذا جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو کسی حکومت کا شہری (citizen)

کہلاتا ہے۔ اس حکومت کے قوانین تسلیم کرنے اس پر لازمی ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے۔ خدا کی حکومت کے تمام قانون اس پر واجب التسلیم ہوتے ہیں اور وہ جب تک اس حکومت کی حدود سے باہر نکل جائے جب تک اپنے آپ کو کسی اور خدا کا بندہ نہ بنائے۔ اس شہنشاہ حقیقی کے قوانین سے مفر نہیں۔

اس کے بعد ازدواجی زندگی کے اثرات یعنی عائلی نظام کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اشتراکیت کی رو سے (۱) اسقاط حمل یعنی قتل اولاد قانوناً جائز، بلکہ بعض اوقات ضروری ہے۔ (۲) اولاد ماں باپ کی نہیں ہوتی، بلکہ حکومت (عوام) کی ملکیت ہوتی ہے (۳) حسب و نسب کا کوئی رشتہ۔ خون کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ ان ہر سہ امور کو بھی قرآن کریم کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

(۱) قتل اولاد کے متعلق قرآن کریم نے سخت منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ — اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل نہ کرو۔ $\frac{6}{152}$

واضح رہے کہ یہاں مِنْ اِمْلَاقٍ (افلاس کے ڈر سے) کے یہ معنی نہیں ہیں کہ افلاس کے علاوہ اور اسباب کے ماتحت قتل اولاد جائز ہے اور صرف افلاس کی وجہ سے قتل اولاد حرام ہے۔ نہیں یہ نہیں۔ ایسی شرائط کو اصطلاح میں قید اتفاقی کہتے ہیں جس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسا فعل بہرحال ہے تو حرام و ممنوع لیکن اسکی وہ خاص شکل بین طور پر بیان کر دی جاتی ہے جو یا تو نزولِ حکم کے وقت زمانہ کی سوسائٹی میں بالعموم رائج ہو یا وہ اس جرم کی سنگین ترین شکل ہو۔ مثلاً اسکی دوسری مثال قرآن کریم

میں یوں ہے۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (البقرۃ) — فحش باتیں کرنا۔ گناہ کرنا آپس میں جھگڑنا حج میں منع ہے۔

اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ فحش باتیں کرنا۔ آپسمیں جھگڑنا اور فسق وفجور میں مبتلا ہونا حج کے علاوہ دیگر ایام میں عین حلال وجائز ہے اور صرف حج کے ایام میں ہی ممنوع ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ افعال شنیعہ ناجائز تو بہر حال ہیں لیکن ایام حج میں بالخصوص ان سے محترز رہنا چاہیے اور اسکے واضح کرنے کی ضرورت اسلئے لاحق ہوئی ہے کہ ایام جاہلیت میں ایام حج میں ایسی ایسی حیا سوز حرکات عمل میں آتی تھیں جو اس فریضہ مقدسہ کی حرمت وتکریم کے سراسر منافی تھیں۔

یہی معنی قتل اولاد میں ہیں۔ یعنی قتل اولاد بہر حیثیت حرام ہے۔ اور چونکہ جاہلیت عرب میں بالعموم افلاس کی بنا پر قتل اولاد کا ارتکاب ہوتا تھا۔ اسلئے اسکی مروجہ شکل کو نمایاں کرکے بتا دیا کہ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے اسلام کی بیعت لیتے تھے تو ان سے اقرار لیا جاتا تھا۔

لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ۱۲/۲۸ — کہ وہ اپنے بچوں کو قتل نہیں کرینگی۔

دوسری جگہ ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ انعام ۸/۱۴۰ — بڑے نقصان میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند ودلیل کے قتل کردیا۔

اور چونکہ اسلامی قانون کی رو سے بچہ حالت جنین میں قبل پیدائش ہی اولاد تسلیم

کر لیا جاتا ہے ورنہ وہ ترکہ میں اس کا حصہ ہوتا ہے۔ اسلئے اسقاطِ حمل ازروئے شریعت قتلِ اولاد میں داخل ہے۔ (اور ہندوستان کی موجودہ حکومت میں بھی یہ جرم ہے)

(۲) قرآن کریم کی رو سے اولاد ماں باپ کی وارث ہوتی ہے اور اسکے لئے والدین کے ذمے بہت سے حقوق و فرائض عائد کرائے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَوْلَادِکُمْ (النساء) اللہ تعالےٰ تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ اور اس حکم کے بعد ان تفصیلات کا ذکر ہے جنکی رو سے جائیداد کی تقسیم وغیرہ عمل میں آتی ہے۔ اگر اولاد ملکیت عوام ہو جائے تو یہ احکام کیسے۔ علاوہ بریں اولاد کی تربیت و پرورش کے متعلق کتاب و سنت میں مبسوط و مفصل احکام موجود ہیں۔ جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۳) نسبی رشتہ داروں کے متعلق نظامِ معاشی اور معاشرتی میں احکامِ وراثت کے ماتحت ذکر آچکا ہے۔ والدین کے ساتھ احسان و مروت کی تاکید قرآن کریم میں بار بار آئی ہے وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا کس مسلمان نے نہیں سنا اور فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (کہ ان دونوں کو جھڑکی بھی نہ دو) کس کے کانوں تک نہیں پہنچا۔ مزید براں قرآن کریم نے نسبی قرابت کو عائلی نظام کا لانیفک جزو قرار دیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۲۵/۵۴ اللہ وہ ہے جس نے پانی (نطفہ) سے آدمی کو پیدا کیا اور (اس تعلق کے ذریعہ) اسکو خاندان والا اور نسب و قرابت والا بنایا۔

یہ توضیحات کسی مزید ایضاح و تبصرہ کی محتاج نہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ اسلام کے

نزدیک ازدواجی اور عائلی نظام کیسا ہے اور اشتراکیت انسان کو کدھر لئے جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فحش کاری و شہوت رانی کی جو تحریک کے ذریعہ ۱۹۰۷ء میں وجود میں آئی تھی۔ اس کا موجودہ نظام ازدواجی اسی کی ارتقائی منزل ہے اور جب حقیقی اشتراکیت جلوہ گر ہوگی تو اسوقت انسانی بہیمیت کو مکمل آزادی کا پروانہ دیدیا جائے گا۔

ضمناً قرآن کریم کی نصوص صریحہ کی روشنی میں جو اوپر مذکور ہوئی ہیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ قرآن کریم نے سوسائٹی میں عورت کی حیثیت کو کس قدر بلند کر دیا ہے۔ وہی عورت جس کے متعلق ادیان سابقہ اور عام سوسائٹی نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ اس میں روح بھی نہیں ہوتی۔ اسلام نے اسے مردوں کے ہمدوش لا کھڑا کیا اور سوائے ان فطری اختلافات کے جو مرد و عورت کی تخلیق میں موجود ہیں اور جنکی رو سے وظائف حیات میں اختلاف کا قایم رکھنا ضروری ہے اور کوئی فضیلت و فوقیت ایک دوسرے پر نہیں۔ عورت چار حیثیتوں سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ بحیثیت بیٹی، بیوی، ماں اور مبدع سوسائٹی۔ بیٹی کی حیثیت سے ترکہ میں اس کا حصہ موجود ہے۔ بیوی کی حیثیت سے اسکے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید ہے وراثت میں اسکا حصہ ہے اور ازدواجی معاہدے میں اسے مردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں جنکی نگہداشت فریقین کے قلب ایک مقدس جذبہ نکاح کے ذریعہ فرض کیجاتی ہے بحیثیت ماں اس سے حسن سلوک کا اور احسان و مروت کا حکم ہے "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"۔ یہ سب سے پہلے اسلام ہی نے سکھایا اور بحیثیت مبدع سوسائٹی مردوں کو ان کی تحفظ ناموس کا ذمہ دار بنایا اور اسکی عفت و عصمت کے جوہر کو اس قدر گراں بہا بنایا کہ کسی کو اسکی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھنے کی اجازت نہیں فرمایا۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۲۴:۳۰) — مسلمان مردوں سے کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔

اور اسی طرح بطور حفظ ماتقدم عورتوں سے بھی کہدیا کہ خواہ مخواہ دوسروں سے آنکھیں دوچار کرکے انہیں اذن تماشانہ دیا کریں کہ تمہارا جوہر بے بہا ہے اور اسکی غارت گری کی جرأتیں اکثر انہیں راستوں سے پیدا ہوا کرتی ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ — اور مسلمان عورتوں سے بھی کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔

اللہ اکبر! کہاں یہ احکام اور کہاں اشتراکیت کی شتر بے مہاری کہ عورت ملکیت ہی عام سوسائٹی کی ہے۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اشتراکیت کو عین اسلام کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں۔ اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے۔

نظام حکومت

اشتراکیت میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ وہ دنیا سے ہر قسم کے نظام حکومت کو فنا کر دینے کے درپے ہیں اور جب تک وہ آخری منزل حاصل نہیں ہوتی۔ انکی حکومت ایک مطلق العنان ڈکٹیٹر شپ کے ذریعہ سرانجام پاتی ہے۔ جس کے اختیارات غیر محدود اور جس کی قوتیں لا انتہا ہیں۔ اس کا حکم قانون ہے اور وہ خود کسی قانون کا پابند نہیں، اسکے انتخاب کے لئے رائے عامہ کی بھی ضرورت نہیں۔ آئیے۔ اب ہم دیکھیں کہ نوع بشری کی عمرانی زندگی کے لئے کس قسم کے نظام کی ضرورت ہے اور اسلام اس کے لئے کونسی صورت تجویز کرتا ہے۔

انسان کے مختلف ادوار تاریخی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ شکار اور گلہ بانی
کی منفردہ زندگی کے بعد جب اس نے قبائلی اور مدنی زندگی بسر کرنی شروع کی تو
نظام سوسائٹی کی اصلاح واستقرار کے لئے ضروری ہوا کہ انسانی آزادی اور اسکے اختیار
وارادہ کو شرائط وحدود میں مقید کیا جائے۔ اسلئے کہ اگر دنیا میں ایک ہی انسان بستا
ہو تو اس کے اعمال وافعال کا اثر خود اسکی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ لیکن
جب معونت وتعاون کی زندگی بسر کرنے کے لئے انسان کو اجتماعی طور پر ملکر رہنا
ہو تو ہر ایک کے اعمال کا اثر اوروں تک بھی متعدی ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کے
حقوق محفوظ رکھنے کے لئے ان قواعد وضوابط، حدود وقیود کی ضرورت لازمی ٹھیرتی ہے
پھر کسی ایسی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو ان قواعد معینہ کے نافذ العمل ہونے کی نگراں
ہو۔ ابتدا تو اس نظام کی اس ضرورت کے ماتحت ہوئی۔ لیکن نگراں کار جماعت کے
افراد کے ذہن نے فوراً اسے محسوس کیا کہ درندوں کے شکار اور چوپایوں کی
سیاقت میں وہ ذہنی تعیش نہیں جو خود انسان کے شکار اور جماعت کی قیادت
میں ہے۔ انہوں نے رفتہ رفتہ ایسے قوانین کی طرح ڈال لی جس سے برسر اقتدار جماعت
کے ہاتھ مضبوط رہیں اور اس طرح ان کے جذبہ استبداد کی تسکین ہوتی رہے۔ ان
قوانین کا مقصد محض اس جماعت کی نفسانی اغراض کا پورا کرنا تھا۔ گو ان اغراض کی نوعیت
ان افراد سوسائٹی کے بدلتے رہنے سے بدلتی گئی جو وقتاً فوقتاً برسر اقتدار آتے رہے تاریخ
کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں کہ کسطرح مختلف ادوار میں فرمانروا جماعتوں نے اپنا تسلط
قائم رکھنے کی کوششیں کیں، مصر کے فراعنہ بطور دیوتاؤں کے پوجے جاتے تھے بابل کے
نمرود کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ ہندوستان کے راجہ ایشور پرماتما کے اوتار سمجھے جاتے تھے۔

رومۃ الکبریٰ کا اسقف خدا کے بیٹے کا قائم مقام تھا۔ فارس کے کسریٰ بھی اپنے آپ کو ظل اللہ سمجھتے تھے۔ غرضیکہ ہر جگہ اسی جذبہ حکمرانی کے کرشمے تھے جو مختلف اشکال و صور سے ظاہر ہوتے تھے۔

یک چراغیست کز و انجمنے ساختہ اند

گزشتہ صدی تک یہی شخصی استبداد شاہنشاہیت کی صورت میں بالعموم مختلف اقوام عالم میں کارفرما تھا حتیٰ کہ تغیر پسندی کے جذبے نے اس بساط کو الٹا اور انقلاب فرانس نے یورپ میں اس طرز حکومت کی بنا ڈالی جسے جمہوری یا قومی کہا جاتا ہے جس کی رو سے نظام حکومت قومی نمائندوں کی مجلس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس مجلس کے فیصلے کثرت آراء پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ مجلس ایسے قوانین وضع کرتی ہے جن کا مرافعہ کہیں نہیں ہو سکتا۔ نظام حکومت کے متعلق ذہن انسانی کے ارتقائی مدارج کی یہ آخری کڑی ہے جو اس وقت تک منصہ شہود پر آئی ہے اور اسے رفتہ رفتہ دنیا کی تمام قوموں نے قبول کر لیا ہے۔ اور اسمیں شبہ نہیں کہ شخصی مطلق العنانی کے مقابلہ میں یہ طرز حکومت بہت بڑی ترقی اور اصلاح ہے اور یہی وہ انداز حکومت تھا جس کی وجہ سے یورپ سے استمالیت کی تحریک تدریجاً ختم ہو گئی۔

لیکن

تمام دنیا کے مدبرین اور بنی نوع انسان کے دنیاوی مفکرین کے مقابلہ میں عرب کے معمار نے ایک ایسی مستحکم عمارت کی بنا قایم کی ہے جو ساری دنیا سے نرالی بھی ہے اور تمام انسانوں کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی تمدنی و عمرانی زندگی کے تحفظ کی کفیل بھی ہے۔

اسلام نے یہ متعین کر دیا کہ جہانتک اساس و اصول کا تعلق ہے۔ خدا کی کتاب مسلمانوں کے لئے دستور و ضابطہ ہے کیونکہ وہ اس خدا کا فرمان ہے جو رب العٰلمین ہو جسکے نزدیک تمام انسان برابر ہیں جو کسی کی رو رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی کے ساتھ ذرہ برابر ظلم کرتا ہے اور بحیثیت خالق ہونے کے بہترین طور پر جانتا ہے کہ انسانی سعادت و تحفظ کے لئے کس قسم کے قوانین کی ضرورت ہے۔ اسی لئے قرآن نے ان الفاظ میں فرما دیا۔

اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہ (یوسف) فیصلہ صرف خدا کا ہے۔

اور اس حکومت کی عملی صورت وہ ضابطہ ہے جو شریعت الٰہی یعنی کتاب و سنت کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا۔ یہ وہ ضابطہ ہے جس کے اساسی احکام اٹل اور جسکے اصول ناقابل تغیر ہیں۔ اسلام کا طرز حکومت اور تمدن و معاشرت تمام تر انہی احکام پر مبنی ہوگا۔ لیکن ان احکامات کے نافذ العمل ہونے کے لئے ایک رئیس ملت کا انتخاب رائے عامہ سے ہوگا جسکی حیثیت واضع قوانین کی سی نہیں بلکہ قوانین کے نگران و پاسبان کی ہوگی اور جہانتک ان قوانین کے اطلاق کا تعلق ہے وہ جماعت کے باقی افراد سے ذرا بھی ممتاز نہ ہوگا اور اس میں اور ایک عام مسلمان میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا۔ وہ ان اصولات کی روشنی میں مقامی اور وقتی معاملات کے حل کے لئے قوم سے مشاورت کرے گا اور فروعی و جزوی احکامات کی تدوین کے لئے ایک جماعت متعین ہوگی جو سرچشمہ احکام شریعت کی روشنی میں ان احکامات کو منضبط و مستنبط کرے گی اور جسے فقہاء کی جماعت کہا جائے گا ایک عام مسلمان ہو یا فقہ کی جماعت کا رکن۔ مجلس مشاورت کا نمائندہ ہو یا خود رئیس قوم (امیر المومنین)

ہو۔ ہر ایک پر یہ قوانین یکساں طور پر نافذ ہوں گے اور اگر کسی معاملہ میں ایک عام مسلمان اور خود رئیس قوم میں اختلاف ہو جائے تو اس کے مرافعہ کے لئے قولِ فیصل کیلئے منبع احکام شریعت الٰہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ چنانچہ فرمایا۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۔ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (۵۹ : ۱۴)	اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحب امر کی جو تم میں سے ہو۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اس کے فیصلے کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

اب ظاہر ہے کہ اسلامی طرز حکومت میں قانون کے مہمات اصول خود اس احکم الحاکمین کے وضع فرمودہ ہیں۔ اسلئے مسلمانوں کے لئے ہمیشہ وہی قانون قابلِ تسلیم ہوگا جو ان کی شریعت الٰہی کے مخالف نہ سمجھا جائے۔

اسلامی طرز حکومت کا جو خاکہ ہم نے اوپر مرتب کیا ہے وہ صرف ایک نظریہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اسکی عملی شکل خلافت راشدہ کے زمانہ میں دنیا کے سامنے آگئی۔ اور دنیا کی تاریخ نے دیکھ لیا کہ اس سے بہتر نظام حکومت نہ کبھی وجود میں آیا اور نہ آئیگا۔ ان کی حکومت قرآن و سنت کے احکام نافذ کرنے کے لئے تھی۔ اور وہ اس باب میں مہاجر و انصار سے خصوصاً اور عام مسلمانوں سے عموماً مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ کیونکہ قرآن کا حکم ہے

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۳/۵۳)	اور حکومت میں مسلمانوں سے مشورہ لیا کرو۔

دوسری جگہ ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ان کی حکومت باہمی مشورے سے ہے۔ ۳۸

پھر اس حکومت کی واضح خصوصیات میں سے یہ بھی تھا کہ قانون کی نگاہ میں ادنیٰ واعلیٰ غریب وامیر سرمایہ دار و مزدور کا کوئی فرق نہ تھا حضور نے فرمایا:۔

لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِيْنٍ اَوْ تَقْوٰى (مشکوٰۃ) ایک کو دوسرے پر سوائے دین اور تقوے کے اور کوئی حق فضیلت و ترجیح نہیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ میں ایک معاملہ میں نزاع ہو گئی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہو۔ حضرت زیدؓ نے خلیفۃ المسلمین کو دیکھ کر تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دینی چاہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے زید یہ پہلی ناانصافی ہے جو اس مقدمہ میں تم کر رہے ہو۔ (کتاب الخراج)

اسی طرح حضرت امیرؓ ایک مقدمہ میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے، تو مدعی کے برابر کھڑے رہے۔ (عقد الفرید)

خود خلیفۃ المسلمین کا منصب کیا تھا۔ اس کا اندازہ اس تقریر سے ہو سکتا ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کے بعد فرمائی۔

لوگو! میں تمہارا امیر تو مقرر ہوا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں بھائیو! میں تو صرف شریعت الٰہی کی اتباع کرنے والا ہوں کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں درست کام کروں تو میری معاونت کرو، اور اگر میں کج ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔

(ابن سعد جلد ۳)

اسی طرح حضرت عمر رضؓ نے خلافت کے بعد ایک مجلس میں جہاں باہمی اختلاف آراء تھا فرمایا۔

میں بھی تم میں سے ایک کے برابر ہوں (کاَحَدِکُمْ) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جو میں چاہوں تم اسکی اتباع کرو (کتاب الخراج)

اور یہ وہی خلافت تھی جسکا انتخاب رائے عامہ سے ہوتا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ۔ خلافت صرف عام مشورہ سے۔ (کنز العمال)

یہی بات حضرت امیرؓ نے نہج البلاغت میں بیان فرمائی ہے کہ انتخاب کا طریقہ رائے عامہ سے ہے جس سے ظاہر ہے کہ خلافت و امارت نہ تو وراثت میں آسکتی ہے نہ ہی قوت بازو سے بجبر منوائی جا سکتی ہے۔ اسلئے کہ خلافت اسلامیہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ ایک امانت ہے جو رائے عامہ سے صاحب الامر کو تفویض کی گئی ہے چنانچہ اسی بنا پر بنی امیہ کی ملوکیت میں جب سلیمان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ چونکہ میں رائے عامہ سے خلیفہ منتخب نہیں ہوا اسلئے میں خلیفہ برحق نہیں ہو سکتا۔

تصریحات مذکورہ سے واضح ہو گیا ہوگا کہ اسلام کی رو سے

(۱) حکومت کا قائم رہنا نہایت ضروری ہے کیونکہ خدا اور رسول کی اطاعت کیساتھ اولی الامر (صاحب امر) کی اطاعت بھی فرض قرار دی گئی ہے . . . .

برعکس اسکے اشتراکیت حکومت کے وجود کو ہی فنا کر دینے کے درپے ہے

(۲) حکومت شورائیت آپس کے اتحاد سے ہو گی . . . . برعکس اسکے اشتراکیت خدا کی

ہستی کے قائل ہی نہیں۔

(۳) ان قوانین واحکام کی حفاظت ونگہبانی کے لئے ایک رئیس قوم کا تقرر ہوگا جسکا انتخاب رائے عامہ سے ہوگا۔۔۔۔ اسکے مقابلہ میں اشتراکیت کا ڈکٹیٹر رائے عامہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

(۴) مقامی اور وقتی ضروریات کے حل اور فروعی وجزوی مسائل کے استنباط کے لئے۔ مجالس مشاورت ہونگی۔ گویا انتخاب ومشاورت میں طرز جمہوریت ہوگی نہ کہ شخصی۔۔۔ برعکس اسکے اشتراکیت کی ڈکٹیٹرشپ میں جمہوریت کا وجود ہی نہیں۔

(۵) قانون کی نگاہ میں عام مسلمان اور صاحبان امر میں کوئی امتیاز نہ ہوگا اور ان میں سے ہر ایک مسئول اور قانون کا پابند ہوگا۔۔۔۔۔ اسکے مقابلہ میں اشتراکی ڈکٹیٹر ایک قوت قاہرہ اور مطلق الحکم ہستی ہوگی۔ جس پر خود کسی قانون کی پابندی لازمی نہ ہوگی۔

(۶) ان کے مقدمات شریعت محمدی کے ماتحت فیصل ہوتے ہیں۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن اشتراکین کے نزدیک شریعت مہمل شئے ہے۔

اس تقابل وتوازن سے خود ہی ملاحظہ فرمالیجئے کہ اشتراکیت نظام حکومت کی کونسی شق اسلامی کہلائی جاسکتی ہے۔

مذہبی نظام ہم دیکھ چکے ہیں کہ اشتراکیت کا اولین اصول مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ خواہ وہ کوئی مذہب ہو اور کسی قوم سے متعلق ہو ان کے

نزدیک خدا کے وجود کا اعتقاد اور آخرت کی زندگی پر ایمان ہی بنی نوع انسان کی تمام مصیبتوں کا باعث ہے اور جب تک یہ اعتقادات ذہن انسانی سے حرف غلط کی طرح مٹا نہیں دئے جاتے نہ دنیا کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے اور نہ اشتراکیت کامیاب ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ وہ باب ہے کہ اس میں کسی کدوکاوش اور تفحص و تجسس کی ضرورت نہیں اسلئے کہ کونسا ایسا مسلمان ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہوئے کسی ایسی تحریک کی تائید کا تصور بھی ذہن میں لاسکتا ہے جس کا نصب العین تمام ادیان کو جس میں اسلام بھی شامل ہے دنیا سے نیست و نابود کرنا ہو۔ ہمیں تو حیرت آتی ہے ان مسلمانوں پر جو باہیں ہمہ یہ کہتے چلے جا رہے ہیں۔ کہ اشتراکیت فی الحقیقت عین اسلام ہے اور روس روز بروز اسلام کے قریب تر آتا چلا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "وہ کان کٹوانے کو پھریں یہ بالیاں بنوانے کو پھریں"۔ وہاں خدا کی ہستی کا ایمان تمام خرابیوں کا مبدء بتایا جا رہا ہے۔ اور یہ اس تعلیم کو عین اسلام قرار دے رہے ہیں؛ ع۔ دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے۔ پتہ نہیں اگر یہی عین اسلام ہے تو پھر کفر کی کیا تعریف ہوگی۔ مسلمان کا تو وجود ہی دنیا میں مذہب کے نام سے ہے۔ جب مذہب ہی نہیں تو مسلمان کہاں۔ اسکی تو تمام عبادتیں، زندگی کی تمام قربانیاں۔ اسکا مرنا۔ اسکا جینا صرف اس ایک ذات کے لئے ہے جسے خدا کہتے ہیں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ	کہدیجئے کہ میری عبادتیں اور میری قربانیاں میرا مرنا اور میرا جینا
وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَبِذٰلِكَ	صرف رب العلمین کے لئے ہے مجھے اسکا حکم دیا گیا ہے اور اس
اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ط	اعتقاد کی بدولت میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔

بقول علامہ اقبال ؎ ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے

اور اشتراکیت کا تقاضا ہے کہ اسکا تصور بھی ذہن انسانی سے محو کر دیا جائے۔
اس تضاد کو اگر تزادف کہا جائے تو اس عقل و دانائی پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔
اشتراکین کے سر تو کچھ ایسا نفی کا بھوت سوار ہوا ہے کہ اس سیلاب کی رو میں کہیں اثبات
کا نام ہی نہیں ملتا۔ نظام معاشی میں نفی۔ نظام معاشرتی میں نفی۔ سیاسی نظام میں نفی
عائلی نظام میں نفی اور سب سے آخر مذہبی نظام میں مکمل نفی۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا
رؤف بالعباد ہے۔ اپنے بندوں پر رحمدل ہے، اشتراکیت کہتی ہے کہ وہ
(خاکم بدہن) بد ترین ظالم ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ میری دعوت یکسر دلیل اور
برہان پر مبنی ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى کہہ دیجئے کہ میں اور میرے متبعین خدا کی دعوت
وَجْهِ الْبَصِيْرَةِ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (۱۲:۱۰۸) علی وجہ البصیرت دیتے ہیں۔

اشتراکیت کا دعویٰ ہے کہ مذہب افیون کی گولی ہے جو قوائے ذہنی کو سلب کرتی
ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ حدود اللہ کی پابندی میں ہی دین و دنیا کی فلاح
و کامیابی ہے۔

"بالتحقیق فلاح و بہبودی صرف ان مومنین کے لئے ہے جو اپنی نماز میں
خشوع کرنے والے ہیں جو لغویات سے برکنار رہنے والے ہیں جو اعمال و
افعال میں اپنا تزکیہ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو حرام شہوت رانی سے
بچائے رکھتے ہیں۔۔۔" ۲۳:۱-۵

اشتراکیت کہتی ہے تمام حدود و قیود کا توڑنا ہی اصل انسانیت اور فلاح و

و بہبودی کا راز ہے۔ قرآن اس دنیا میں عزت و کامیابی کی زندگی بسر کرنیکو ضروری قرار دیتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ اس حقیقتِ کبریٰ کو بھی فراموش نہیں ہونے دیتا کہ یاد رکھو کہ یہ دنیاوی زندگی تو حقیقی انسانی زندگی کی ایک تخمی شکل ہے اس کی اصل برومندی اس سے بعد کی زندگی میں ہوگی جو فی الحقیقت زندگی کہلانے جانیکی مستحق ہے

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ. (۲۹/۶۴)	اور یہ دنیاوی زندگی دراصل بیہودہ محض ایک کھیل اور بہلاوہ ہے اور زندگی تو درحقیقت دارالآخرہ کی ہے۔

لیکن اشتراکیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ زندگی یہی ہے اسکے بعد کی زندگی کا خیال لغو و مہمل ہے غرضیکہ فرع و اصل جہاں بھی دیکھیے اشتراکیت قرآن کے سراسر خلاف ہے اور اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے قرآن کا رشتہ فوراً ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ مذہب کا معاملہ سیاسی اور اقتصادی روسے جداگانہ ہے اور دونوں کا باہمی امتزاج ٹھیک نہیں۔ سو اول تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مذہب اور امور دنیا (مثل سیاست و اقتصادیات۔ معاشرت و معیشت) کسی اور مذہب میں جدا ہوں تو ہوں۔ اسلام تو ہمیں دین و دنیا کو الگ نہیں کرتا۔ اس نے جہاں روحانی اور اخلاقی زندگی کا ایک دستور العمل سامنے رکھا ہے ساتھ ہی ساتھ تمدنی اور معاشرتی سیاسی اور اقتصادی زندگی کا مکمل ضابطہ بھی مسلمانوں کو دے رکھا ہے۔ اور یہی چیز تکمیل دین اور اتمام نعمت ہے (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی) اور ایک مسلمان کے لئے "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة" اے اللہ مجھے دنیا

میں بھی بہتری عطا فرما اور عاقبت میں بھی بہتری کی دعا تجویز کی گئی ہے۔ دوسرے
یہ کہ یہ لادینی یہ دہریت یہ خدا کا انکار۔ اشتراکیت کے بنیادی اصولوں میں
سے ہے مارکس کے منشور اشتراکیت میں اسے لانیفک قرار دیا گیا ہے اور یہی نہیں
بلکہ جیسا کہ پیشتر عرض کیا جا چکا ہے۔ اشتراکیت کی تو ضرورت ہی یہ بتائی جاتی ہے
کہ مذہب نے دنیا کے سکون و اطمینان کا نظام تباہ کر رکھا ہے۔ پھر بعض لوگ کہا
کرتے ہیں کہ اشتراکیین کا مذہب کے خلاف جنون انکے رد عمل کا نتیجہ ہے جب
آہستہ آہستہ ان کے قدم جم جائیں گے مزاج سے تشدد کا جنون اتر جائیگا تو وہ خود
بخود اعتدال پر آ جائیں گے۔ لیکن اول تو واقعات اس خوش فہمی کی تکذیب کرتے ہیں
۲۳ر جنوری ۱۹۱۸ء کو بالشویکوں نے مذہب اور آزادی ضمیر کے متعلق جو منشور
جاری کیا تھا۔ اس میں مذہب و ملت کو صرف حکومت سے علیحدہ کیا گیا تھا اور یہ
اجازت تھی کہ:۔

(۳) کوئی شہری جو نسا مذہب جی چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ اور
اگرچہ مدارس و مکاتب میں مذہبی تعلیم کے مظاہرے ممنوع قرار دیئے
گئے تھے لیکن اس کی اجازت تھی کہ
(۹) کوئی شہری نجی طور پر اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم دلادے۔

(Religion cad the Soveit)

اسوقت تک مذہبی عبادتگاہوں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا تھا لیکن
۱۹۲۲ء (فروری) میں حکومت نے فیصلہ کر دیا کہ مذہبی عبادت گاہوں کی جائداد
و املاک ضبط کر لی جائیں (Rassia Repored 1921-1928)

ایران بعد ۲۸-۱۹۲۷ء میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ یہ تشدد اور بھی بڑھ گیا۔ عبادت گاہیں مسمار کر دی گئیں۔ مذہبی مکاتب جبراً بند کر دیئے گئے۔ مذہبی تعلیم ممنوع قرار دیدی گئی۔ مناسک و عبادات کی ادائیگی روک دی گئی اور خدا کے پرستاروں کے لئے خدا کا نام لینا جرم عظیم قرار دیدیا گیا۔ جن میں استطاعت تھی وہ چوری چھپے وہاں سے بھاگ کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور باقی اشتراکیین کی وحشت و بربریت کا شکار ہونے کے لئے وہیں چھوڑ دیئے گئے۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جوں جوں یہ تحریک زیادہ مستحکم ہوتی گئی۔ مذہب کے خلاف ان کا جذبۂ انتقام و عناد مشتعل ہوتا چلا گیا۔ لہٰذا ایسی موہوم امیدیں قائم کرنا کہ قوت کے استحکام کے بعد ان میں میانہ روی آجائیگی اپنے آپ کو دھوکہ دینا اور حقیقتوں سے چشم پوشی کرنا ہے

دوسرے یہ کہ بفرض محال تھوڑی دیر کے لئے اسے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایک مدت کی وحشت و بربریت کے بعد اشتراکیین میں اعتدال آجائیگا تو اس وقت جبکہ اتنے عرصہ میں وہ کچھ مسلمانوں کو مرتد کر چکے ہونگے باقی اُن کے جور و ستم کے شکار ہو کر شہید ہو چکے ہوں گے اور آئندہ نسلوں کو اپنی دہریت و لا مذہبیت کی فضا میں پروان چڑھا کر اپنا ہمخیال بنا لیا ہوگا۔ اسوقت جبکہ کے نمائندہ دیگر یہ تیغ مارکشی۔ اگر ان کا مزاج اعتدال پر آیا بھی تو اس سے اسلام کو کیا فائدہ۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت کی دہریت ان کے نزدیک خود ایک مذہب کی حیثیت رکھتی ہے۔ منکرین خدا کی انجمنیں قائم ہیں اور تبلیغات سے جہاں خدا کا نام

لینے والوں پر اسدرجہ ظلم و استبداد روا رکھا ہے۔ ان منکرین خدا کو خود حکومت کی طرف سے پوری پوری امداد ملتی ہے اور انہیں اس لامذہبیت کی اشاعت کے لئے پوری پوری آزادی حاصل ہے۔ اسکے لئے مبلغ موجود ہیں۔ رسائل شائع ہوتے رہتے ہیں اور منظم جماعتیں اسکی تبلیغ کرتی ہیں Religion under the soviets

اصل یہ ہے کہ اسلام کے لئے روس کی سرزمین راس ہی کب تھی جب سے Vladimir نے سنہ ۹۸۶ء میں مذہب عیسویت اختیار کیا ہے مسلمان ان کے مذہبی جنون کے شکار ہوتے رہے۔ حتی کہ انیسویں صدی کے اخیر تک جبکہ دنیا کے قریب قریب ہر مہذب ملک میں مذاہب کے معاملہ میں آزادی کا اعلان ہو چکا تھا۔ روس میں وہی جابرانہ پابندیاں عائد تھیں اور دنیا کی تاریخ میں غالباً روس ہی وہ ملک ہے جہاں سنہ ۱۹۰۵ء تک مذہبی آزادی کا اعلان نہ ہوا لیکن قربان جایئے مسلمانوں کی دینی حرارت اور جوش ایمانی کے کہ اگرچہ روس کے ضابطۂ تعزیرات میں کسی عیسائی کے مسلمان کرنے کی پاداش میں تمام شہری حقوق چھین لئے جاتے تھے اور کم از کم دس سال قید با مشقت کی سزا بھی دی جاتی تھی۔ قبائل در قبائل اسلام کی آغوش میں لائے جاتے رہے۔

اور انہیں داعیان حق و صداقت کے صبر و استقلال اور انہی شہیدانِ ملت کے خونِ ناحق کا صدقہ ہے کہ آج روس میں قریباً ۳ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔

(Russia Reported 1921-1933)

لیکن آہ! آج مسلمانوں کی بے حسی ملاحظہ ہو کر چالیس کروڑ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے ان شہدائے اسلام کے خون سے سینچے ہوئے پودے دہریت و لامذہبیت

کی بادسموم سے تباہ ہو رہے ہیں اور کسی کے خون میں جوش اور قلب میں حرارت پیدا نہیں ہوتی۔ نہیں! بلکہ ایسے ہیں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو اس تحریک کو اسلامی تحریک سمجھ کر خوش ہو رہے ہیں۔

ہوئے تم دوست جس کے اُسکا دشمن آسماں کیوں ہو۔

طریق کار آخر میں کسی تحریک کی نشر و اشاعت کے لئے لائحہ عمل یا طریق کار کا سوال آتا ہے۔ اشتراکیت میں ہم نے دیکھا ہے کہ وہ ہر قسم کے فتنہ و فساد، آگ اور خون، مسلح انقلاب، جور و استبداد جبر و اکراہ سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کے حامی ہیں اور اسکے لئے جائز و ناجائز کی قطعاً کوئی تمیز نہیں سمجھتے۔ جائز وہ جس سے مطلب برآری ہو۔ اور ناجائز وہ جو ان کے مقاصد کے منافی ہو۔ لیکن آیئے اب دیکھیں کہ اسلام اس طریق کار کے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اور اسکی بجائے کونسا لائحہ عمل تجویز کرتا ہے۔

دنیا کے کسی نظام میں تغیر پیدا کرنے کے لئے دو قسم کے طریق عمل اختیار کئے جاتے ہیں یا تو اس انداز سے کہ خرابیوں کے اسباب و علل پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے حالات کا جائزہ لیا جائے خرابیوں کے وجود یا مخالفین کی ضد پر دل میں کوئی انتقامی جذبہ پیدا نہ ہو۔ نقائص و اسقام کے دور کرنے کے لئے نہایت نرم روی سے علاج کے طریقے سوچے جائیں۔ دعوے کے اثبات میں دلائل و براہین پیش کئے جائیں جس سے فریق مخالف کا سکوت نہیں بلکہ سکون مقصود ہو اور جب تک کہ حفاظت خود اختیاری اور مظلوموں کی حمایت کیلئے مدافعانہ ضرورت نہ پڑ جائے طاقت و قوت کا جارحانہ استعمال نہ کیا جائے۔ اور دو قسم کی جمعیت و اتفاق کے لئے اگر خواہ اس

ہو تو صرف اتنا حصہ جسم ہی کاٹا جائے جو بالکل زہر آلود ہو کر لا علاج ہو چکا ہو۔ اس طریق عمل کا نام قرآن کریم نے اصلاح رکھا ہے اور یہی طریق کار اسلامی تغیر کا ہے

اسکے برعکس دوسرا طرز عمل وہ ہے جسکی ابتدا ہی غیظ و غضب اور جوش انتقام سے ہوتی ہے۔ اس تغیر کے لئے ہر قسم کی تخریبی قوت بروئے کار لائی جاتی ہے۔ فریق مخالف کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوتا۔ ہر نظریئے کو زبردستی منوایا جاتا ہے۔ بد عنوانیوں کے استیصال کے لئے خود ایسی بدعنوانیاں عمل میں لائی جاتی ہیں جس کی تعبیر میں بجائے خوش ایک خرابی کی صورت مضمر ہوتی ہے۔

اس جوش و خروش اس شورش و اضطراب کا نام قرآن کی اصطلاح میں فساد ہے جسے آجکل انقلاب کہا جاتا ہے۔ اسلام اس قوت آزمائی اس ہنگامہ آرائی اس جبر و اکراہ۔ اس ظلم و استبداد کا یکسر مخالف ہے۔ قرآن کریم نے اس جماعت کا ذکر ضمناً اس انداز میں فرمایا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۔ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ (۲: ۱۱-۱۲)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو محض اصلاح کرنے والے ہیں۔ بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اسے سمجھتے نہیں۔

چنانچہ حضرات انبیاء نے تغیر حالات کے لئے یہی طریقہ اختیار فرمایا مثلاً حضرت شعیب کے ذکر میں ہے۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ

میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے خلاف وہ

مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ۚ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (۸۸)

طریق عمل اختیار کروں جس سے میں خود منع کرتا ہوں۔ میں تو جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ صرف اصلاح چاہتا ہوں

اسلام دنیا میں سب سے پہلا مذہب ہے جس نے ان اصلاحی کاموں کے لئے نہایت نرم روحی اور رواداری سے کام لیا اور جبر و اکراہ کو اپنی مملکت سے قاطبۃً خارج کر دیا۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲۵۶)

دین کے معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی روا نہیں (اسلئے کہ) ہدایت و گمراہی بالکل ایک دوسرے سے الگ ہو چکی ہے۔

اس لئے جس کا جی چاہے ایمان اختیار کرے اور جس کا جی چاہے انکار کرے (فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر) ایمان کے نتائج سعیدہ خود اپنے لئے ہیں اور کفر کا وبال خود اپنے اوپر پڑیگا۔ یہی نہیں کہ اس نے جسمانی جبر و اکراہ کو ہی سپوتاژ کر دیا بلکہ عقل و شعور کے منافی ہے۔ ذہنی استکراہ کو بھی جائز نہیں رکھا اور اپنی دعوت کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جو عین فطرت انسانی کے مطابق تھا اور جس کے ماننے میں نہ قلب انسانی کسی الجھن میں گرفتار ہوتا تھا اور نہ ذہن انسانی پر کوئی مافوق الفطرت بار پڑتا تھا۔ اسلئے کہ مقصود اسکا سکونِ قلب تھا نہ اسکات خصم۔ علم منطق کی رو سے استدلال کے تین طریقے بالعموم قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک تو برہانیات جس میں یقینی شواہد کے ذریعہ دعوے کے اثبات میں دلائل لائے جاتے ہیں۔ دوسرے خطابیات جس میں موثر طرز خطابت سے مافی الضمیر کو دوسرے کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ اور تیسرے جدلیات ایسے اقوال سے دعوے کو ثابت کرایا جاتا ہے جو فریقین میں مسلم ہوں۔ قرآن کریم

نے بھی تین طریقے اپنی دعوت کے لئے تجویز فرمائے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ	لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت و دانائی
وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ	اور موعظہ حسنہ کے ذریعے سے بلاؤ۔
بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ (۱۶: ۱۲۵)	اور ان سے مناظرہ نہایت عمدہ طریق سے کرو۔

حتیٰ کہ متمرد و سرکش انسانوں کے پاس بھی جب پیغام دعوت لے جانے کو کہا تو ان سے بھی نرمی اور رافت سے باتیں کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون جب فرعون کے پاس دعوت الٰہی لے جانے کے لئے مامور کئے گئے تو ارشاد ہوا

اِذْھَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی	تم ہر دو فرعون کے پاس جاؤ اس نے
فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ	طوفان برپا کر رکھا ہے لیکن اس سے نرمی
یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی۔	سے بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے
(۲۰: ۴۳-۴۴)	یا (اللہ سے) ڈرے۔

خود نبی اکرمؐ سے فرمایا کہ تبلیغ حق کے لئے

وَقُلْ لَّھُمْ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا (النساء) ان سے ایسی باتیں کہیے کہ سیدھی ان کے دل میں اتر جائیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کو لڑائیاں بھی لڑنی پڑی ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ کسی قوم کی آزادی کو سلب کر کے انہیں بجبر اپنا ہم خیال بنایا جائے بلکہ برعکس اس کے

لہ سر طامس آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب (Preaching of Islam) میں مختلف اقوام و ممالک میں تبلیغ اسلام کی تاریخ شرح و بسط سے لکھ کر ثابت کیا ہے کہ اسلام کہیں بھی بزور شمشیر نہیں پھیلایا گیا۔ منہ

اس لئے کہ ازلی تمرد و سرکشی نے مظلوم انسانوں پر ظلم و استبداد جور و ستم کی جو تیاریاں برپا کر رکھی تھیں انہیں ان سے نجات دلائی جائے اور مذہب کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر باقی نہ رہے۔ اسلام ہی کے لئے نہیں بلکہ ہر ایک مذہب کے لئے آزادی کا دور دورہ ہو چنانچہ فرمایا۔

لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج)	اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے گرجا یہودیوں کے معبد ترساؤں کے مندر اور مسلمانوں کی مساجد جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے منہدم ہو گئے ہوتے

مظلوم و بےکس مسلمانوں پر اسقدر ظلم ہو رہے تھے۔ خود رسول اکرمؐ کی جان کے درپے تھے [illegible] لیکن انہوں نے [illegible] [illegible] ایسے [illegible] کی۔ وطن چھوڑ دیا اور اپنی [illegible] [illegible] کر بیٹھ گئے۔ لیکن جب مغرور انسانوں کی دست درازیوں نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا تو اس وقت ان کے سامنے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ مظلوموں اور بےکسوں کی حفاظت کا سوال تھا فتنہ پردازی اور قتل و غارت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کا سوال تھا۔ ایسی حالت میں انہیں اجازت ملی کہ حفاظت خود اختیاری کے لئے تم بھی مدافعت اختیار کرو۔ لیکن یہ اجازت بھی اپنے انداز میں بالکل نرالی چیز تھی۔ سورۂ حج اٹھا کر دیکھئے کہ یہ اجازت کن شرائط و قیود سے محدود کر کے دی گئی ہے۔

فرمایا۔

" اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کی تمہیں بھی اجازت ہے، جو تم سے لڑتے ہیں۔ لیکن زیادتی (ہرگز) نہ کرنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جس حالت میں وہ جنگ کریں تو اس وقت انہیں جہاں پاؤ ان سے لڑو۔ اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکال باہر کیا ہے تم بھی انہیں نکال سکتے ہو (اس لئے کہ) فتنہ و فساد قتل سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔ لیکن ان سے مسجد حرام کے قریب لڑائی مت لڑنا۔ جب کہ وہ لوگ خود تم سے نہ لڑیں۔ پس اگر وہ لڑیں تو تم بھی لڑو کیونکہ ایسے مجرموں کی یہی سزا ہے اور جس وقت وہ لڑائی سے رک جائیں تم بھی رک جاؤ۔ اللہ تعالےٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔ اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے اور مذہب (کے معاملہ میں کسی انسان کی زبردستی نہ رہے اور مذہب) صرف خدا کے لئے ہو جائے سو اگر وہ باز آجائیں تو سوائے زیادتی کرنیوالوں کے اور کسی پر سختی روا نہیں۔" (البقرۃ)

ان صورتوں کے علاوہ قتل و خونریزی کو قرآن کریم نے جس شدت کا فعل شنیع قرار دیا ہے اس کا اندازہ سورۂ مائدہ کی اس آیت سے ہوتا ہے۔ جس میں فرمایا کہ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ	جرم قتل کی سزا یا فساد فی الارض کے سوا جس نے ایک جان کو بھی مار دیا۔ یوں سمجھو کہ گویا اس نے تمام انسانوں کو

أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ ﴿۳۲:۵﴾	قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک انسان کو مرنے سے بچایا اس نے گویا کل بنی نوع انسان کو زندگی بخشی۔

اس سے ظاہر ہے کہ امن پسند انسانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کرڈالنا اپنا جذبۂ وحشت و غارت گری فرو کرنے کے لئے خون کی ندیاں بہاو ینا ایک مزعومہ انتقام لینے کے لئے ہنستے انسانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دینا اسلام کے نزدیک کیسے جائز و حلال ہو سکتا ہے۔ اسلام کا تو مادہ ہی سلم ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ نہ کہ فساد و غارت گری۔ لہذا جس تحریک کی بنیاد ہی آتشیں ہیولی پر رکھی گئی ہو وہ اسلام کی تحریک کیسے ہو سکتی ہے علاوہ بریں۔ اشتراکیت نے اپنی قوت و استیلا کے استحکام و استبقا کے لئے ہر قسم کے جائز و نا جائز وسائل اختیار کرنا عین حلال قرار دیا ہے لیکن اسکے برعکس قرآن کریم کسی شکل میں بھی حق و صداقت عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اور جو چیز اس کے نزدیک نا جائز و حرام ہے وہ دوست دشمن دونوں کے لئے نا جائز و حرام ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿۸:۵﴾	دیکھنا کسی قوم کی دشمنی کہیں تمہارے لئے اس بات کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو (ہمیشہ) عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

چنانچہ تاریخ دعبر میں اکثر شواہد اسکی تائید میں ملتے ہیں کہ ایک مسلمان اور غیر مسلم میں

مقدمہ ہوا۔ اور مسلمان قاضی کی عدالت سے غیر مسلم کو ڈگری مل گئی۔ مدینہ منورہ میں اکثر یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنے ججوں کو چھوڑ کر نبی اکرمؐ کو ثالث قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے حق و صداقت۔ عدل و انصاف کے مظاہرے میدان جنگ میں بھی ہوا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ وہ مقام ہے جہاں دنیا بھر کے مقننین نے قوت کے ہر قسم کے استعمال کو جائز قرار دیا ہوا ہے۔ نبی اکرمؐ جب کسی دستہ فوج کو مقابلے کے لئے روانہ فرماتے تو التزاماً اُنہیں تاکید فرماتے کہ

"خبردار اگر کسی نے کسی غیر مذہب والے پر بیجا ظلم کیا، اسکے مذہب کی تنقیص کی یا کوئی چیز بجبر چھین لی۔ اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ قیامت کے دن خدا کے حضور اُس غیر مذہب والے کی طرف سے اُس مسلمان کے خلاف جھگڑوں گا۔"

(ابوداؤد۔ جلد دوم)

ان حقائق کی روشنی میں کون یہ کہہ سکتا ہے کہ اشتراکیت کا طریق عمل اسلام کے نزدیک جائز ہے۔ ظلم و استبداد۔ جور و تعدی۔ خون آشامی، آتش ریزی۔ فتنہ و فساد اور قتل و غارت کی اس استبدادی تحریک کو قرآن کے نزدیک کیسے مستحسن ہو سکتی ہے کہ جس کے نزول کا مقصد ہی دنیا سے ان وحشیانہ جرائم کا نیست و نابود کرنا تھا۔

نتائج

پھر اگر یہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو آئیے دیکھیں
کہ اشتراکیت نے دنیا کی سرگرمیوں اور راحتوں میں کس قدر اضافہ کیا ہے اور
نظام امن و ترقی عالم میں کیا ترقیاں کی ہیں۔ دنیا نہیں تو کم از کم روس کی موجودہ
حالت سے ہی اس کا اندازہ لگایا جائے کیونکہ وہی درحقیقت اشتراکیت کا گہوارہ
ہے۔ ظاہر ہے کہ اشتراکیت کی بنا اقتصادیات پر رکھی گئی ہے یعنی اس تحریک
کے علمبرداروں کے نزدیک تمام تباہیاں اور بربادیاں تمام بلائیں اور مصیبتیں دنیا
میں اس لئے ہیں کہ اقتصادی نظام عالم ٹھیک بنیادوں پر نہیں ہے اور اسکا
حل محض تحریک اشتراکیت ہے۔ روس میں ۱۹۱۷ء میں اس تحریک نے زور
پکڑا۔ زار کے نظام حکومت کا تختہ الٹ کر اس نظم کہن کی جگہ۔ اس محفل نو کی
بساط حیات آخر بچھائی گئی لیکن اس مخفی قوت کو برسر کار آئے ابھی ایک
برس بھی نہ گذرا تھا کہ ۱۹۲۲ء میں روس میں الملک و قیامت خیز قحط پڑا
جس کے دفع کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کئے گئے۔ جائیدادیں
غصب کی گئیں۔ سرمائے چھین لئے گئے۔ فقیر کی جھونپڑی سے امیر کے محلات تک
جو کچھ بھی تھا سب کچھ غصب کر لیا گیا۔ حتیٰ کہ گرجاؤں میں جو پادری عبادت کے لئے مخصوص تھی یعنی
قابل سوختنی نہ قابل فروختنی" وہ بھی حکومت نے اپنے قبضے میں کر لی لیکن
حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ ماہرین زراعت نے اندازہ لگایا کہ اس قحط
کی اصل وجہ اشتراکیت کی پہلی اسکیم ملکیت ہے (Requisitionschm.

چنانچہ اس تلخ تجربہ کے بعد اس سکیم کو چھوڑ دینا پڑا۔ اس لئے کہ کسانوں نے یہ دیکھکر کہ زمین کی پیداوار تو کسی اور کی ملکیت ہو جاتی ہے انہوں نے زمین میں دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ اس کی وجہ سے خود لینن نے کہا کہ یا تو ذاتی تجارت کی پھر اجازت دینی پڑیگی یا کسانوں کے خلاف جدال و قتال کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اجتماعی طریق زراعت (Collective scheme) جاری کیا گیا۔ یہ بھی ناکام رہا اور کسانوں کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ چنانچہ حالت یہ تھی کہ فوج کے سپاہی حکومت کی طرف سے اس غرض کے لئے متعین کئے جاتے کہ کسانوں کی فصل کو اٹھا کر حکومت کے مرکزوں میں جمع کریں۔ جو اس کی مزاحمت کرتا گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا۔ اس تشدد کا لازمی نتیجہ تھا کہ کسان زمین چھوڑ کر بھاگ نکلے اور زمینیں سبزہ بیگانہ سے آٹ گئیں (ملاحظہ ہو Borling s.entinel)

چنانچہ ایک امریکن سیاح مسٹر (Sherwood Eddy) نے اپنے پچیس سالہ سیاحت کے تجربات قلمبند کئے ہیں۔ اور اگرچہ وہ عام طور پر روسی طرز حکومت کا مداح ہے لیکن کسانوں کی اس حالت زار کو وہ بھی نہیں چھپا سکا۔ وہ اپنی کتاب (Russia to day) میں لکھتا ہے کہ کسانوں کو حکومت کیطرف سے نادر شاہی احکام ملتے ہیں کہ اسقدر غلہ فی کھیت پیدا کرنا ہوگا اگر آفات ارضی و سماوی کی وجہ سے کسان بچارا اتنی مقدار میں غلہ بہم نہ پہنچا سکے اسے سائبیریا کے یخ بستہ میدانوں کیطرف جلا وطن کر کے بھیجدیا جاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو Daily gazatt Karachi)

اس میں شبہ نہیں کہ گذشتہ پانچ چھ سال سے ساری دنیا اقتصادی

بھوک کے بے پناہ عذاب میں ماخوذ ہے۔ لیکن بایں ہمہ دنیا کے کسی حصہ میں غلہ کا قحط نہیں پڑا۔ خود ہندوستان میں اجناس کا نرخ اس قدر گرا ہوا ہے کہ اس کی نظیر گذشتہ صدی میں ملنی مشکل ہے لیکن حیرت ہے کہ ان دنوں اگر غلہ کا قحط نظر آتا ہے تو روس میں، جو دنیا بھر میں گندم کی پیداوار کا بہترین خطہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ وہاں ۱۹۳۳ء میں پھر وہاں ایک ہولناک قحط پڑا۔ دیہات والوں کا یہ حال تھا کہ وہ بلی کتے۔ حتیٰ کہ انسانوں تک کو کھا گئے لیکن تعزیری پولیس فصل جمع کرنے کے لئے بدستور وہاں متعین تھی۔ آذربائیجان کے علاقہ میں قحط اپنی انتہائی شدت پہ تھا جس کی وجہ سے لوگ اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ فروری سے اکتوبر ۱۹۳۳ء تک قریباً ۲۳۰۰۰ لوگ اس علاقہ سے خراسان کی طرف پناہ جوئی کے لئے ہجرت کر کے گئے۔ انہی دنوں میں مسٹر Williams نے اپنی ذاتی سیاحت کی بنا پر جن حالات کا انکشاف کیا ہے وہ عبرت و بصیرت کی داستان ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہزار ہا کھیت ایسے دیکھے گئے ہیں جن میں فصل پڑی سڑ رہی تھی کیونکہ کسان بھوک کی شدت سے زمین چھوڑ کر بھاگ گئے تھے جو باقی تھے۔ وہ خود بھوکے مر رہے تھے۔ کیونکہ حکومت کی سکیم کے مطابق جب تک تمام غلہ پہلے حکومت کے مرکزوں میں جمع نہ ہو جائے کسان کو اس کا حصہ نہیں مل سکتا تھا۔ اجتماعیت کی سکیم گویا تریاق از عراق آوردن تھا۔

(ملاحظہ ہو Bowbeey Setinet. مجریہ ۱۳۔ مارچ ۱۹۳۳ء)

یہ سکیم بھی بالکل ناکام رہی۔ چنانچہ ایک کسان نے کانگریس کے بھرے اجلاس میں کہہ دیا کہ "زمینیں ہماری ہیں لیکن فصل تمہاری۔ چرا اگا ہیں

ہماری ہیں، لیکن گھاس تمہاری، جنگل ہمارے ہیں لیکن درخت تمہارے۔
ارباب حکومت خود ایسے پریشان و سراسیمہ ہو چکے ہیں کہ انہیں سوجھتا ہی
نہیں کہ اس بگڑے ہوئے نظام کی اصلاح کس طرح کی جائے۔ لیکن تشدد پسند
انقلاب کی بنیادی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر خرابی کا علاج تشدد سے کرنا چاہتا
ہے اور اس طرح ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کا مضمون ہو جاتا ہے۔ کمیونسٹ
حکومت کی تنہائیوں میں کچھ دیر پہلے خفیہ تشدد کے ذریعہ کہا تھا امراض کے
اسباب و علل پر غور نہیں کرتے۔ انہیں ہر بات پر غصہ آجاتا ہے اور ہر ایک کا علاج
ایک انتقامی جذبہ بن کر خوش ہوتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں اخبارات میں یہ
خبر گشت کر رہی تھی کہ روسی [illegible] ۲۰ [illegible] ڈالر [illegible] مقدمہ [illegible]
جرم یہ تھا کہ انہوں نے اسپات [illegible] قیمت [illegible]
اور حیران رہ جائیے کہ اس [illegible]
اس قابل سے جرم کی سزا [illegible] سزائے موت [illegible]
سال قید اور باقیوں کو [illegible] (ٹائمز آف انڈیا [illegible] ۱۸ جولائی [illegible])
خود روس کے ایک اخبار کی رپورٹ ہے کہ گزشتہ مارچ میں ایک شخص کو غلہ چرانے
کے جرم میں سزائے موت کا فتوے سنا دیا گیا۔ چنانچہ لینن نے اپنے آخری
دنوں اس بدنظمی سے متاثر ہو کر لکھا تھا کہ "اس میں شک نہیں کہ ہم ابھی تک
بحر زخار میں بہے چلے جا رہے ہیں، اور ہمارے اثرات سخت دھیمے ہیں کہ
ملک میں نظام اشتراکیت قائم ہو سکے۔" (Communism Exposed.
ان واقعات سے ظاہر ہے کہ یہ بحران اور بدنظمی [illegible]

یہ بدخواہیاں کچھ امن و اطمینان کی زندگی کا پتہ نہیں دیتیں۔ بلکہ شاہد ہیں کہ روس میں کسقدر بدامنی پھیل رہی ہے اور اسے دبانے کے لئے کسقدر تشدد ذرائع سے کام لیا جا رہا ہے۔ حکومت کے اقتدار۔ اشتراکیت کے تسلط۔ استیلاء بھی کے استحکام کے لئے جس قدر ظلم و تشدد۔ قتل و غارت۔ امن و امنیت کے ان اجارہ داروں کی طرف سے روا رکھا گیا ہے۔ نظام و آئین کے تحفظ کے لئے جس قدر بے آئینی و بے نظمی وہاں برتی جا رہی ہے۔ قانون کے ضبط و انضباط کے لئے عدل و انصاف کے اندھے دیوتا کے مندر پر جس قدر قربانیاں وہاں چڑھائی گئی ہیں۔ اور اپنے اعتقادات کی نشر و اشاعت کے لئے جس قدر خون کی سیلاب انگیزیاں وہاں برپا کی گئی ہیں اس کا اندازہ اُن اعداد و شمار سے ہو سکے گا جو مسٹر جون جونی ہرڈنے اپنے تیس سالہ قیام روس کے زمانہ میں فراہم کئے ہیں اور وہ ڈیلی گزٹ کراچی کی اشاعت مورخہ ۵ دہم جون ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئے ہیں۔ اندازہ فرمائیے کہ کشت و خون کے یہ انسانیت سوز نظارے انسانوں کی بستیوں میں نظر آسکتے ہیں یا درندوں کی غاروں میں؟

وہ لوگ جو قتل کئے گئے	تعداد مقتولین
اساقفہ	۳۱
پادری	۱۵۶۰۰
جج و کلاء اور مجسٹریٹ	۳۴۵۸۵
اساتذہ اور طلباء	۱۶۳۶۷

۹۔ وہ لوگ جو قتل کئے گئے .... تعداد مقتولین

سول حکام ۷۹۹۰

امرا و رؤسا ۶۵۸۹۰

فوجی افسر ۵۶۳۴۰

مزدور مرد و عورت ۱۹۶۰۰

سپاہی اور جہازراں ۳۶۸۰۰

کسان اور کاشتکار ۸۹۰۰

اس فہرست کو سامنے رکھیے اور دیکھیے۔ دنیا کی سفاکی اور خونریزی کی کوئی داستان اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ بخت نصر کی تباہ کاریاں۔ یونانیوں کی ستم ریزیاں۔ ایرانیوں کی لشکر انگیزیاں۔ رومیوں کی ہلاکت آفرینیاں حتیٰ کہ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی قتل و غارتگری کی خونچکاں اور خونفشاں قیامت خیزیاں۔ سب اسکے سامنے شرمندہ ہیں اور یہ اسی اشتراکیت کے نتائج ہیں جس کے متعلق خود لینن کا دعوے تھا کہ یہ تحریک حکومت اور جنگ کی دہشتوں سے نجات دلانے کی صراط مستقیم ہے۔

Dialectial matrialism

by. V-dorutsky)

اور جس کے متعلق محولہ بالا کتاب کے مولف کا بیان ہے جو آجکل ماسکو میں مارکس انجلز لینن انسٹیوٹ کا ڈائرکٹر ہے۔ کہ

"نسل انسانی صرف اپنی قوت بازو سے جو اشتراکیت کی شکل میں موجود ہے

اپنی نیم بربریت کی زندگی۔ اور افلاس، استبداد اور جہالت کے پنجے سے رہائی پا سکتی ہے نہ خدا کی مدد کے بغیر دوسرے پر جس کے متعلق ہمارا یقین ہے کہ اسکا وجود ہی نہیں ہے" ..... (ایضاً صفحہ ۳)

یہ ہیں اس تحریک کے داعیان کے دعاوی، اور وہ ہیں اس تحریک کے نتائج و اثرات۔ اب خود اندازہ فرما لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس قدر حقیقت پر مبنی ہے کہ

مَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۔ ۶۵	جس نے اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑ دیا اُس نے اپنے آپ پر (سخت) ظلم کیا۔

اسکے خلاف اگر دیکھنا چاہو کہ حدود اللہ کی پابندیوں نے کیا نتائج پیدا کئے تو اسلام کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے۔ خود معلوم ہو جائیگا۔ مسلم مصنفین کو چھوڑ دیجئے کہ انکا بیان جانبدارانہ محمول کیا جائیگا۔ ان غیر مسلم مورخین کی شہادتیں دیکھئے جن کی آنکھوں پر جہل و تعصب کی تاریکی کے پردے نہیں ڈال رکھے تھے۔ مسٹر "A. von Kremer" ایک ممتاز مستشرق ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

"اصلاح کا یہ عظیم الشان کام پایہ انجام پا چکا تھا کہ جب محمد (صلعم) کی وفات ہوئی تو عرب کے بیشتر حصہ پر خدا کی امن و سکینت کے پر بادل چھا رہے تھے جو قتل و غارتگری کے خوگر عربوں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھے تھے۔ امن و سلامتی کا یہ دور دورہ محض اسلام کے طفیل تھا"

(Preaching of Islam)

فتنہ وفساد کے استیصال" امن وسلامتی کے تسلط کے لئے اسلام کو جو مدافعانہ لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ان میں اس "قتل وخونریزی کے چھینٹے بھی گنتے جائیے جس کی وجہ سے حقیقت پوش متعصبین آج تک اسلام کو بدنام کرتے چلے آئے ہیں۔ نبی اکرمؐ کی دس سالہ مدنی زندگی میں کم وبیش ۸۰ لڑائیاں ہوئیں جن میں مسلمانوں کی طرف سے ۲۵۹ اور مخالفین کی طرف سے ۷۵۹ آدمی "قتل ہوئے یعنی مقتولین کی مجموعی تعداد ۱۰۱۸ تھی اور فی لڑائی اس کی اوسط ۱۳ مقتول پڑتی ہے۔ اور اسی طرح قیدیوں کی اوسط فی لڑائی سات ہے اور ان قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا تھا اس کا یہ عالم تھا کہ جنگ بدر کے ایک قیدی عزیز کا بیان ہے کہ وہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے یہاں رکھے گئے۔ حضرت مصعب کی یہ حالت تھی کہ دن بھر محنت مشقت سے کمائی کرکے لاتے اور شام کو گیہوں کی روٹیاں اپنے قیدی کو دیتے اور خود کھجوریں کھاکر گذارہ کرتے۔ عزیز کا بیان ہے کہ جب میں یہ ماجرا دیکھتا تو ندامت سے گردن جھک جاتی۔ میں کہتا کہ آپ روٹی گیہوں نہیں کھاتے تو وہ فرماتے کہ نہ بھائی۔ تم ہمارے مہمان ہو اور مہمان کی حتی الامکان مدارات ہم پر فرض ہے۔ یہ کیوں تھا اس لئے کہ زندگی کے ہر شعبے کے گرد اللہ تعالیٰ نے حدود متعین فرما رکھی تھیں اور ان کا ایمان تھا کہ۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے
(ان حدود کی پابندیوں میں)
اللہ اور اس کے رسول کی اتباع

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۴ ؎

کی اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کریگا جن کے نیچے (امن و سرور کی) نہریں بہ رہی ہوں گی ۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے۔ فرض کیجئے کہ اشتراکیت کی تحریک بالکل کامیاب ہو جائے۔ تمام ممالک میں یہی نظام رائج ہو۔ اور ہر انسان اشتراکی بن جائے۔ ظاہر ہے اس طرح دولت کی مساویانہ تقسیم ہو جائیگی جہدللبقا رکا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ دشمن کا خطرہ ہی نہ ہوگا کہ مدافعت کے اسباب مہیا کرنیکی فکر دامنگیر ہو۔ کسبِ معاش کے لئے گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ کا کام اور پھر فرصت ہی فرصت (کہ اس کی زندگی میں ایک انسان کے پیٹ کے لئے اس سے زیادہ محنت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی) ظاہر ہے کہ یہ زندگی بالکل سکون اور جمود کی زندگی ہوگی۔ لیکن جن حضرات نے فطرت انسانی کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کیا ہے کیا وہ بتائیں گے کہ فطرت انسانی کتنے وقت تک اس قسم کی بے حس و حرکت زندگی میں مطمئن رہ سکتی ہے حرکت و کوشش فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے یہ کبھی نچنت نہیں بیٹھ سکتی) ایسی فضا کتنے عرصہ تک فطرتِ انسانی کے لئے ساعد قرار دیجا سکتی ہے۔ اشتراکین کے نزدیک زندگی اس دنیا تک محدود ہے۔ جب اس دنیا کے تمام امور یوں طے پا گئے تو پھر اس کے بعد کیا؟ انسان بالکل بیکار بیٹھا رہیگا؟ کیا یہ ایسا گوارا کرسکے گا ؟

قرآن کریم تو انسانی فطرت کی پرواز کے لئے یہ جہانِ آب و گل تو ایک طرف جنت کی زندگی کو بھی مانع قرار نہیں دیتا۔ چہ جائے کہ اسی دنیا میں فطرت کے بال و پر یوں نوچ لئے جائیں۔ اس سکون و جمود میں لطف کیا ہوگا انسانی فطرت کا تو پیغام ہے کہ:

مزی اندر جہانے کور ذوقے
کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد

بصائر و عبر

اس میں کلام نہیں کہ دنیا نے آج جس قدر مادیات میں ترقی کی ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں شاید ہی کہیں ملے۔ آج میدانوں پر۔ پہاڑوں پر۔ خشکی پر۔ پانی پر۔ تحت الثریٰ سے اوج ثریا تک انسان کو اقتدار حاصل ہے۔ لیکن بایں ہمہ غلبہ و استیلا جس اضطراب و بیتابی کے دور سے دنیا آج گذر رہی ہے۔ اسکی نظیر بھی دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی۔ حریر و اطلس کے نرم و نازک لباس میں لپٹے ہوئے جسم کے اندر قلب انسانی کو دیکھئے تو عدم اطمینان اور فقدان سکون کی ایک آگ ہے جو ہر وقت مثل

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـئِدَةِ۔	اللہ کی آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں

شعلہ فگن رہتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مدبرین اقوام عالم کے جلیل القدر مفکرین سر جوڑ کر بیٹھے ہیں کہ ہلاکت و تباہی کی ان مہیب غاروں سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ مختلف فارمولے سفید و اعزہ، متبائن انتیں ڈھائی جاتی ہیں۔ لیکن تلاش جس کی ہے۔ وہ زندگی نہیں ملتی۔ ایک اسکیم کی روشنی میں تھوڑی دور چلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس اب نجات کی راہ مل گئی لیکن پھر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھٹکنے لگ جاتے ہیں۔ تنہا عقل انسانی کی اس بے بسی کی مثال قرآنی تشبیہ

میں یوں سمجھئے کہ اسکی روشنی بجلی کی چمک ہوتی ہے جب روشنی ہوتی ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ تمام کرہ ارض اور عالم افلاک کے پردے بھی منور ہو جائیں گے۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ (بقرہ) جب ان کا گرد وپیش روشن ہو جاتا ہے تو چلنے لگ جاتے ہیں۔ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا۔ اور جب روشنی پھر گم ہو جاتی ہے تو حیران وششدر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اقوام عالم کی یہ حالت تو ہوتی ہی تھی کہ انکے پاس کوئی مستقل روشنی کوئی شمع ہدایت نہیں۔ لیکن حیرت ہے مسلمانوں پر کہ ان کے پاس ایک نور مبین۔ ایک شمع ہدایت موجود ہے۔ جس کا دعوٰے ہے کہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (وہ لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے والی ہے) لیکن اس شمع ہدایت کو چراغ تہ دامن کی طرح غلافوں میں لپیٹے زینت دہ طاق نسیان بنا رکھا ہے اور دوسروں کی جگنو کی روشنی کو خضر راہ سمجھکر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر مارے مارے پھرتے ہیں۔ کہیں اشتمالیت، کہیں فسطائیت (Fasets) کہیں نازی ازم۔ کہیں کمیونزم۔ غرضکہ

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کیساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

ظہور اسلام کے وقت عرب کے دائیں بائیں دو تہذیبیں اپنے معراج اعلیٰ پر تھیں۔ ایک طرف رومیوں کی تہذیب اوج کمال پر تھی۔ دوسری طرف ایرانیوں کے تمدن کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔

اگر اسلام اپنے ساتھ کوئی مستقل تہذیب نہ لایا ہوا ہوتا اور فلاح و بہبود دوسروں کی تقلید میں ہی ہوتی تو انہیں حکم دیدیا جاتا کہ رومیوں کی تہذیب اختیار کرلو یا ایرانیوں کی۔ لیکن یہ نہیں کہا گیا۔ بلکہ کہا گیا کہ

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ ۔ سلمانوں۔ تم ایمان رکھو اللہ پر وَرَسُوْلِهٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ (النساء) | اسکے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی۔

یعنی کتاب مبین کی روشنی میں جو اللہ کا نور ہے۔ رسول اللہ کے نقوشِ قدم دیکھ کر اُن پر چلتے جاؤ۔ یہی تہذیب اسلامی کے عناصر ترکیبی ہیں جسکا نتیجہ یہ تھا کہ چند سال کے عرصہ میں ایک اونٹ چرانے والی بادیہ نشین قوم کو قیصر و کسرے کی تہذیب کا مالک بنا دیا۔ اور یہ اصنامیات یونان کے افسانے نہیں۔ بلکہ تاریخ کی ٹھوس حقیقتیں ہیں۔ ایک انگریز مورخ کے بیان کے مطابق عہد فاروقی تک مسلمانوں نے بارہ سال کے عرصہ میں چالیس ہزار شہر اور قلعے فتح کر لئے تھے۔ اس کی اوسط بحساب ۹ قلعے روزانہ پڑتی ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اور پھر یہ فتح کرنا کچھ اشتراکیت کا انقلاب نہ تھا کہ خونِ ناحق کے دھبے انکی قباؤں سے حشر تک نہ چھوٹیں گے۔ بلکہ یہ فتح اس نداز کی تھی کہ حمص کا شہر فتح کیا گیا تو ان کی حفاظت کی ضمانت کے لیئے ان سے زرِ جزیہ لیا گیا (جو

مسلمانوں کی زکوٰۃ سے کہیں کم ہوتا تھا) چونکہ چھ ہی مہینے کے بعد مسلمان فوجوں کو کسی اور جگہ منتقل ہونا پڑا، خلیفۃ المسلمین نے حکم بھیجا کہ نصف زر جزیہ اہل قریہ کو واپس دیدیا جائے کیونکہ جب ہم ان کی حفاظت ہی نہ کریں گے تو زر معاوضہ کیسا۔ اہل قریہ جو عیسائی تھے) اُن کا یہ حال تھا کہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور مسلمانوں کو الوداع کہتے ہوئے درخواست کرتے جاتے تھے کہ خدا کے لئے جلد واپس آنا کہیں ہمیں رومیوں کی سلطنت کے ماتحت پھر نہ آجانا پڑے۔ (اور رومی خود عیسائی تھے) یہ مسلمانوں کی چھاؤنی اور سپاہیوں کی زندگی کا نقشہ تھا۔ اللہ اللہ

تو نخلِ خوش ثمرے کیستی کہ باغ و چمن
ہمہ زخویش بریدند و با تو پیوستند

لیکن ان نتائج کے حاصل کرنے کے لئے آپ کو مارکس اور لینن کی اتباع نہیں بلکہ خدا اور رسول کی اتباع کرنی ہوگی۔ یہ راستہ آپ کو منشور اشتراکیت سے نہیں۔ بلکہ اس احکم الحاکمین کے ضابطۂ ازلی سے ملیگا جسے قرآن کہتے ہیں اگر آپ قرآن کے تابع فرمان ہو جائیں گے۔ تو صدرِ اسلام کی تمام نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔ کیونکہ تمہارا خدا ابھی حیّ لا یموت ہے۔ اور اس کی کتاب بھی زندۂ جاوید۔ لیکن اگر ایک ہی رشتہ میں کفر و اسلام۔ حق و باطل اور اہرمن و یزدان۔ خدا و شیطان۔ قرآن و اشتراکیت کو دل میں جگہ دے رکھیں گے۔ اگر خدا کو خدا مانتے ہوئے بھی دوسروں کی آستان پر جبہ سائی کرتے رہیں گے۔ اگر اس کے نورِ مبین کی موجودگی میں دوسروں

کی نظر فریب ضیا پاشیوں کو مشعل ہدایت بنائیں گے تو یاد رکھو قرآن کا
یہ اٹل فیصلہ ت رے لئے موجود ہے کہ

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا اس نے خدا کیساتھ کسی اور کو بھی شریک
خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ ۲۲ | بنایا تو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ یا وہ آسمانوں کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آگرا۔ یا اسے کوئی پرندہ

اچک کر لے گیا یا اُسے ہوا کا تھپیڑا ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر اڑا کر کسی عمیق غار میں لے گرا۔ اور اس کا کوئی مرکز نہ رہا۔

لیکن آپ اگر گلشن کائنات میں سرفرازی و بلندی چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ مذہب و شریعت کی ارضِ مقدس میں اپنی جڑوں کو مضبوطی سے پیوست کیجئے۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ | اس شجر مقدس کی طرح جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہوں۔

دگر بشاخِ گل آویز و آب و نم درکش
پریدہ رنگ ز بادِ صبا چہ میجوئی (اقبال)

لیکن اگر اس کے بعد بھی کسی تحریک ارضی کی جاذبیت آپکو اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عیش و نشاط کی فراوانیاں اسی میں مضمر ہیں

گویا در کھیے کہ خدا کا یہی قانون ہے کہ ۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۔ ۲۸/۵۸

ہم بہت سی بستیاں ایسی ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش و طرب پہ نازاں تھے ۔ سو دیکھ لو یہ اُن کے گھر بار تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے ہیں، کہ پھر یہ آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے اور آخرکار ان سب سامانوں کے ہم ہی وارث ٹھہرے ۔

تمام شد

DUE DATE

R15.02.00

URDU STACKS

URDU STACKS

DATE	NO.	DATE	NO.
R15.02.00			